اسلام میں ارتداد کی سزا کی حقیقت

خطاب سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفة المسیح الرابع رحمه الله تعالیٰ
برموقع جلسه سالانه یو کے، ۱۹۸۶ء

آغاز اسلام سے لے کر آج تک اسلام اور عالم اسلام کو دشمنوں سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا خود بعض سادہ لوح مسلمان علماء کے ہاتھوں پہنچا ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ دشمنان اسلام نے بھی اکثر اوقات ان سادہ لوح علماء کے جاہلانہ فتووں کو ہی بنیاد بنا کر اسلام پر حملے کئے ہیں۔ علماء میں یہ غلط رجحان اس لئے پیدا ہوا کہ انہوں نے اپنے سیاسی اور تمدنی ماحول سے متاثر ہو کر اسلام کے بعض احکامات کی ایسی تشریحات کو جو سیاسی رنگ لئے ہوئے تھیں ترجیح دی اور قرآن کریم کی واضح تعلیمات اور آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ کو پس پشت ڈال دیا۔

''قتل مرتد'' کا عقیدہ بھی ان غلط رجحانات اور بے بنیاد نظریات میں سے ایک ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس خوفناک عقیدہ کی کوئی بنیاد نہ تو قرآن کریم میں ہے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت طیبہ میں، بلکہ یہ محض ایک سیاسی نظریہ تھا جسے عباسی خلفاء اور دوسرے حکام نے اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے بعض متعصب علماء کی مدد سے اختراع کیا۔ یہاں تک کہ اس دور کے دوسرے متعصب علماء بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور بدقسمتی سے بعد میں آنے والے علماء کی اکثریت نے جو انہی علماء کے مکاتب فکر کے زیر سایہ پروان چڑھی تھی، اس نہایت خطرناک غیر اسلامی نظریہ کو بغیر کسی تحقیق اور تنقید کے قبول کر لیا۔ اس ناپاک عقیدہ کے نہایت خوفناک نتائج نکلے یہاں تک کہ علماء اسلام کو محض معمولی اختلافات پر خود علماء سوء نے مرتد قرار دیا اور حکام اور صاحب اثر و نفوذ علماء نے اس ہتھیار کو اپنے مخالفین کے خلاف خوب خوب استعمال کیا۔ تاریخ اسلام کے یہ نہایت دردناک ابواب سپین میں عیسائی حکومتوں کی یاد دلاتے ہیں جب اس قسم کے نظریات کے قائل عیسائیوں نے خود اپنے عیسائی بھائیوں کو معمولی اختلافات پر نہایت وحشتناک سزائیں دیں۔

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفة المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس خطاب میں تاریخ اسلام کے اس تاریک دور کے واقعات کی تفصیل میں جانے سے عمداً اجتناب کرتے ہوئے اس ناپاک اور فاسد عقیدہ کا ہر پہلو سے تجزیہ کر کے قرآن کریم، سنت نبویؐ اور خلفاء راشدین کے زمانہ کے تاریخی واقعات کی روشنی میں اس عقیدہ کا جھوٹا ہونا ثابت کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اسلام کے نہایت حسین چہرے کو داغدار کرنے کی ناپاک کوشش اس بھیانک نظریہ کے ذریعہ کی گئی۔ چنانچہ یہ فاسد نظریہ ہی وہ سب سے خطرناک ہتھیار تھا جسے دشمنان اسلام نے سب سے بڑھ کر اسلام کے خلاف استعمال کیا۔

ان حقائق پر مشتمل یہ عظیم خطاب امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ یو کے پر بتاریخ ۲۷ر جولائی ۱۹۸۶ء بمقام اسلام آباد (ٹلفورڈ) ارشاد فرمایا۔ امید ہے یہ خطاب غیر متعصب محققین کو اسلام کی صحیح اور پاک تعلیمات کو بہتر رنگ میں سمجھنے میں مدد دے گا اور اسلام کے دفاع کے لئے، خصوصاً اس میدان میں، ان کے اندر نئی روح پھونک دے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

یاد رہے کہ اس خطاب کو کتابی صورت میں ڈھالتے وقت حضور رحمہ اللہ نے بعض مناسب ترامیم اور مفید اضافے فرمائے تھے۔ ادارہ الفضل انٹرنیشنل نے ۱۹۹۷ء میں یہ نہایت اہم خطاب اپنی ذمہ داری پر قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۤئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

آیت قرآنی (سورہ المائدہ :۵۵)

عالم اسلام اس دور آخرین میں شدید قسم کے خطرات میں گھرا ہوا ہے اور اسلام دشمن طاقتیں خواہ وہ مشرق سے تعلق رکھتی ہوں یا مغرب سے تعلق رکھتی ہوں، نئے نئے حربوں سے اسلام پر حملہ آور ہو رہی ہیں اور سب سے بڑی دردناک حقیقت یہ ہے کہ آج اسلام پر حملہ کے لئے اسلام ہی کے ہتھیار استعمال کئے جا رہے ہیں اور عالم اسلام پر حملہ اسلام ہی کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ آج ایک عمومی نظر جب عالم اسلام پر آپ ڈالتے ہیں تو یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اسلام کے مخالفین سے تلوار کا جہاد حلال قرار دینے والے اور اسلام کے مخالفین کو بزور شمشیر مفتوح اور مغلوب کرنے والے، مسلسل ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں اور عالم اسلام کی تلوار عالم اسلام ہی کے خلاف اٹھ رہی ہے اور عالم اسلام کے خنجر عالم اسلام کے سینوں ہی میں گھونپے جا رہے ہیں۔ خواہ ایران اور عراق کا اختلاف ہو یا فلسطین کے مجاہدین کے دو گروہوں کا، یا شام اور اردن کا اختلاف ہو یا لیبیا یا مصر کا

اختلاف، کسی پہلو سے بھی عالم اسلام پر نظر ڈالیں تو آج اسلام کی طاقتیں عالم اسلام ہی کے خلاف ایک دوسرے سے نبرد آزما ہیں۔ اور عجیب بات ہے کہ آج اسلام دو متحارب کیمپوں میں اس طرح بٹا ہوا ہے کہ اسلام کے بعض ممالک قرآن اور سنت کی تعلیم پیش کرتے ہوئے یہ اعلان کرتے ہیں کہ اسلام کا رنگ سرخ ہے اور اسلام اور اشتراکیت میں سوائے نام کے عملاً کوئی ما بہ الامتیاز نہیں۔ ہاں ایک فرق ہے کہ خدا کو اشتراکیت میں ڈال دو یا اسلام سے خدا کو نکال دو، دونوں صورتوں میں یہ دونوں نظریہ حیات بالکل ایک سے دکھائی دیں گے اور دوسری طرف اسلام ہی کے نام پر مغربی استعماریت کی پرزور نمائندگی کی جارہی ہے۔ گویا اسلام دنیا میں کیپٹلزم کو تقویت دینے کے لئے آیا تھا اور اس کے سوا اسلام کا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔

عالم اسلام کے خلاف خوفناک سازش

حال ہی میں اس ضمن میں مغربی استعمار کے زیر اثر مسلمان قوموں میں بعض ایسے نظریات کو عمداً ایک منصوبے کے تحت فروغ دیا جارہا ہے جس کے نتیجہ میں یہ جنگ ملکوں ملکوں کی نہیں رہے گی بلکہ ہر مسلمان ملک کے اندر ایک خانہ جنگی کی صورت اختیار کر جائے گی۔ ان حربوں میں سے سب سے بڑا حربہ قتل مرتد کا عقیدہ ہے۔ اور وہ تمام اسلامی ممالک جو بالخصوص امریکہ کے زیر نگیں ہیں اور امریکہ کی حمایت علی الاعلان کرتے ہیں اور اس کی سرپرستی میں اپنے تمام نظام حیات کو تشکیل دے رہے ہیں ان ممالک میں یہ نظریہ بڑی شدت کے ساتھ اٹھایا جارہا ہے اور اس پر وسیع پیمانے پر عمل درآمد کی تیاریاں ہورہی ہیں۔ اس لئے میں نے آج ضروری سمجھا کہ قتل مرتد کے موضوع پر اسلام کی سچی، حقیقی اور دائمی اور انتہائی حسین تعلیم آپکے سامنے رکھوں تاکہ جہاں تک آپ کا بس چلے اس انتہائی کریہہ اور خوفناک سازش کا اپنے اپنے دائرہ اختیار میں، اپنی اپنی حدود میں مقابلہ کریں۔

مسلمان اور مرتد کی تعریف

قتل مرتد کے عقیدے پر تفصیلی بحث سے پہلے یہ ضروری ہے کہ دو بنیادی اصطلاحوں کی تعریف کی جائے، مسلمان کون ہے؟ اور مرتد کسے کہتے ہیں اور مرتد کیسے بنتا ہے؟

اس پہلو سے جب میں نے نظر دوڑائی تو مجھے اس عدالت کی کارروائی کا خیال آیا جو جسٹس منیر اور جسٹس کیانی کی قیادت میں ۱۹۵۳ء میں پاکستان میں ہونے والے فسادات کی چھان بین کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ ان دونوں فاضل ججوں نے نہایت گہری چھان بین کی اور تمام فرقوں کے علماء بلکہ ہر فرقے کے کئی کئی علماء کو دعوت دی اور ان سے استمداد کی کہ ہم ان دو مسائل کو سمجھنا چاہتے ہیں اس لئے آپ ہمیں بتائیں کہ اسلام کی تعریف کیا ہے؟ مسلمان کس کو کہتے ہیں؟

ان فاضل ججوں نے یہ بات خوب کھول دی کہ جب تک پہلے مسلمان کی تعریف متعین نہ ہو، اگلا قدم اٹھایا جا ہی نہیں سکتا۔ یہ بحث بالکل لاتعلق ہو جاتی ہے کہ مرتد کی سزا کیا ہے۔ پہلے مسلمان کی تعریف ہو پھر یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص اسلام کو چھوڑ بھی رہا ہے یا نہیں چھوڑ رہا۔

چنانچہ بہت گہری چھان بین اور بہت تفصیلی گفت و شنید کے بعد فاضل جج جس نتیجہ پر پہنچے وہ میں انہی کے الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:

''یہ مسئلہ بنیادی طور پر اہم ہے کہ فلاں شخص مسلم ہے یا غیر مسلم۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے اکثر ممتاز علماء سے یہ سوال کیا ہے کہ وہ ''مسلم'' کی تعریف کریں۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اگر مختلف فرقوں کے علماء احمدیوں کو کافر سمجھتے ہیں تو ان کے ذہن میں نہ صرف اس فیصلے کی وجوہ بالکل روشن ہونگی بلکہ وہ مسلم کی تعریف بھی قطعی طور پر کر سکیں گے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں شخص یا جماعت، دائرہ اسلام سے خارج ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ دعویٰ کرنے والے کے ذہن میں اس امر کا واضح تصور موجود ہو کہ مسلم کس کو کہتے ہیں۔

تحقیقات کے اس حصے کا نتیجہ بالکل اطمینان بخش نہیں نکلا اور اگر ایسے سادہ معاملے کے متعلق بھی ہمارے علماء کے دماغوں میں اس قدر ژولیدگی موجود ہے تو آسانی سے تصور کیا جا سکتا ہے کہ زیادہ پیچیدہ معاملات کے متعلق ان کے اختلافات کا کیا حال ہوگا''۔

(مسٹر جسٹس محمد منیر و مسٹر جسٹس ایم۔ آر۔ کیانی رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء لاہور، انصاف پریس، صفحہ ۲۳۱، ۲۳۲)۔

علماء کا مسلمان کی تعریف پر اختلاف

پھر علماء کی طرف سے پیش کردہ متعدد تعریفوں کو نمونۃً درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''ان متعدد تعریفوں کو جو علماء نے پیش کی ہیں پیش نظر رکھ کر کیا ہماری طرف سے کسی تبصرے کی ضرورت ہے؟ بجز اس کے کہ دین کے کوئی دو عالم بھی اس بنیادی امر پر متفق نہیں۔ اگر ہم اپنی طرف سے مسلم کی کوئی تعریف کر دیں جیسے ہر عالم دین نے کی ہے، اور وہ تعریف ان تعریفوں سے مختلف ہو جو دوسروں نے پیش کی ہیں تو ہم کو متفقہ طور پر دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے گا۔ اور اگر ہم علماء میں سے کسی ایک کی تعریف کو اختیار کر لیں تو ہم اس عالم کے نزدیک تو مسلمان رہیں گے لیکن دوسرے علماء کی تعریف کی رو

سے کافر ہو جائیں گے۔'' (سابقہ حوالہ صفحہ ۲۳۵، ۲۳۶)

یہ محض نمونۃً میں نے دو اقتباسات پیش کئے ہیں۔ بہت تفصیلی بحث ان فاضل ججوں نے اٹھائی ہے۔ جس کو دلچسپی ہو اصل کتاب سے مطالعہ کر سکتا ہے۔

مسلمان کی تعریف ۔ رسول خداؐ کی زبانی

اب میں آپ کو وہ تعریف بتاتا ہوں جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے خود بیان فرمائی اور وہ دو تین مختلف طریقوں سے بیان فرمائی۔ کیسے ممکن ہے کہ علماء کے ذہن میں یہ تعریفیں موجود نہ ہوں؟ کیوں ان کا ذہن ان سادہ اور نہایت ہی روشن تعریفوں کی طرف منتقل نہیں ہوا؟ محض اس لئے کہ ان تعریفوں کی رو سے کسی صورت بھی جماعت احمدیہ کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے ظلم اور بددیانتی کی حد ہے کہ آنحضرت ﷺ کی واضح تعریفوں کو چھوڑ کر محض جماعت احمدیہ کی دشمنی میں اپنی طرف سے تعریف گھڑنے کی کوشش کی گئی اور اس میں وہ بری طرح ناکام رہے۔

تعریف نبوی اول

سب سے عمومی تعریف جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان مبارک سے ہمیں ملی ہے اور جس میں سب سے زیادہ وسعت ہے اور جس کی رو سے کوئی مسلمان کہلانے والا کسی دوسرے مسلمان کو مرتد قرار دے ہی نہیں سکتا، جب تک وہ خود اعلان کر کے اسلام سے باہر نہ نکلے۔ وہ یہ ہے:

''قال النبی ﷺ اکتبوا لی من تلفظ بالاسلام من الناس ......''

(صحیح بخاری کتاب الجهاد باب کتابة الامام الناس۔ نیز صحیح مسلم ، کتاب الایمان ، باب الاستسرار بالایمان للخائف)

یہ حدیث اس موقع سے تعلق رکھتی ہے جب مدینے میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے مردم شماری کروائی اور چونکہ مردم شماری کا معاملہ سب سے زیادہ عموم رکھتا ہے اس لئے سب سے زیادہ عمومی تعریف آپ نے اس موقعہ پر فرمائی۔ فرمایا:

''میرے لئے، مسلمانوں کی مردم شماری کے لئے، یعنی اس میں یہ مفہوم ہے، ہر اس شخص کا نام لکھ دو جو اپنے منہ سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے''۔

آپ نے کسی اور جھگڑے میں پڑنے کی اجازت ہی نہیں دی۔ کلمے تک کا ذکر نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا کہ جہاں تک عمومی مردم شماری کا تعلق ہے، جہاں تک ملی سیاست کا تعلق ہے صرف یہ تعریف کافی ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے اس کا میرے لئے نام لکھ دو۔

''میرے لئے'' کا لفظ بہت ہی پیارا لفظ ہے۔ یعنی مجھے قبول ہوگی یہ تعریف، ہزار دوسروں کو قبول ہو یا نہ ہو، مجھے اس کی کوئی فکر نہیں۔ میں (محمد مصطفیٰ ﷺ، یہ آپ کا گویا بیان ہے) خدا کا رسول مقرر ہوا ہوں۔ میرے لئے یہی تعریف کافی ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہہ دے۔

تعریف نبوی دوم

دوسری تعریف نسبتاً زیادہ دینی نوعیت کی ہے لیکن وہ بھی اتنی سادہ، اتنی صاف، اتنی حسین اور اتنی غیر مبہم ہے کہ اس تعریف کو سننے کے بعد بھی کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ آپؐ نے فرمایا:

'' من صلی صلاتنا، واستقبل قبلتنا، و اکل ذبیحتنا، فذٰلک المسلم الذی له ذمة الله و ذمة رسوله،

فلا تخفروا الله فی ذمته''

(صحیح بخاری کتاب الصلاۃ باب فضل استقبال القبلہ)

کہ جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلے کو اپنا قبلہ قرار دے، ہمارا ذبیحہ کھائے، وہ مسلمان ہے۔ ایسے شخص کی حفاظت کرنا خدا اور اس کے رسول کے ذمہ ہے۔ پس تم اے مسلمانو! خدا کے ذمے کو ہرگز نہ توڑنا۔

کتنی عظیم الشان، کتنی واضح اور کیسی حسین تعریف ہے!! آج دیکھیں کہ پاکستان میں علماء کیسے اس تعریف کے برعکس تعریف کی جرأت کر رہے ہیں۔ آج سینکڑوں احمدیوں کو اس بناء پر تکلیف دی گئی، قیدوں میں ڈالا گیا اور علماء نے ان کے قتل کے کھلے کھلے فتوے دیئے اور یہ اعلان کیا کہ چونکہ یہ حرکتیں کر رہے ہیں اس لئے ہمارے ذمے سے نکل گئے ہیں۔ یہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں، یہ ہمارے قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور یہ ہماری طرح کا ذبیحہ کھاتے ہیں، جب تک احمدی ان تینوں چیزوں سے باز نہیں آئیں گے ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیں گے۔ جس دن یہ ان تینوں باتوں سے باز آ گئے اسی دن یہ ہمارے ذمے میں داخل ہو جائیں گے۔

کیا یہ وہ ذمہ ہے جس کا ذکر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا تھا؟ بالکل برعکس خدا اور رسول کے ذمے کے، ایک ایک شق سے اختلاف کرتے ہوئے انہوں

نے اپنا ایک ذمہ بنایا ہے۔ مسلم کی ایک نئی تعریف بنائی اور ان کا احمدیوں کی مساجد منہدم کرنے اور ان کا رخ خانہ کعبہ سے پھیر کر کسی اور طرف کرنے کا مطالبہ بتاتا ہے کہ انہوں نے گویا ایک نیا قبلہ بنایا ہے، نئی عبادت کے گر بتائے ہیں۔ اور جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے جماعت احمدیہ کو صرف اور صرف حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعریف کافی ہے اور خدا اور اس کے رسول کا ذمہ کافی ہے۔ کسی اور ملاں کے ذمے کی ہمیں کوئی بھی پرواہ نہیں۔

تعریف نبوی سوم

اب غیر مسلموں کو قتل کرنے کا بہانہ ڈھونڈنے والوں کے لئے بھی آنحضرت ﷺ نے ایک تعریف بیان فرمائی، جو اگر چہ تعریف تو نہیں بلکہ ایک واقعہ پر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا ردعمل ہے جو ایسی صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ جو ایک رنگ میں مسلمان کی تعریف بھی متعین کر دیتا ہے۔

”عن اسامة بن زيد قال : بعثنا رسول الله ﷺ فی سرية ، فصحبنا الحرقات من جهينه. فادركت رجلا فقال لا اله الا الله فطعنته. فوقع فی نفسی من ذالک. فذكرته للنبی ﷺ .فقال رسول الله ﷺ أقال ” لا اله الا الله“ و قتلته؟ قال: قلت يا رسول الله انما قالها خوفا من السلاح. قال أفلا شققت عن قلبه، حتی تعلم أقالها أم لا؟ قال فما زال يكررها علی حتی تمنيت أنی اسلمت يومئذ“ و فی رواية: حتی تمنيت أنی لم أكن أسلمت قبل ذالک اليوم.“

و فی رواية ثالثة: قال : كيف تصنع بلا الٰه الا الله. اذا جاء ت يوم القيامة ؟ قال: يا رسول الله. استغفر لی، قال: و كيف تصنع بلا اله الا الله. اذا جاء ت يوم القيامة؟ قال: فجعل لا يزيده علی ان يقول. كيف تصنع بلا اله ا لا الله. اذ ا جاء ت يوم القيامة......“

(صحیح مسلم ، کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد ان قال ’ لا الہ الا للہ)۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سریہ پہ گئے جہینہ قبیلہ کے علاقہ ’حرقات‘ پر صبح صبح حملہ آور ہوئے۔ مجھے ایک آدمی مل گیا جب میں اس پر غالب آ گیا تو اس نے لاالہ الا اللہ پڑھ دیا۔ (حدیث میں صرف لا الہ الا اللہ کا ذکر ہے محمد رسول اللہ بھی اس نے نہیں کہا) مگر میں نے تب بھی اسے قتل کر دیا۔ اس پر میرے دل میں کھٹکا پیدا ہوا۔ اور میں نے مدینہ آ کر حضور ﷺ سے سارا ماجرا عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا اے اسامہ! کیا تو نے لا الہ الا اللہ پڑھنے کے باوجود قتل کر ڈالا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے تو ہتھیاروں اور قتل کے خوف سے لا الہ الا اللہ پڑھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ’’افلاشققت عن قلبه‘‘ تو نے اس کا دل کیوں نہ چیر لیا۔ کاش تو نے اس کا دل چیر کے دیکھ لیا ہوتا تا کہ تجھے پتہ چل جاتا کہ اس نے خوف سے پڑھا تھا یا دل سے پڑھا تھا؟

پھر فرمایا : قیامت کے دن اسکے لا الہ الا اللہ کے مقابلہ میں تیرے پاس کیا جواب ہوگا۔ میں نے عرض کی حضور آپ میرے لئے استغفار کیجئے۔ مگر آپؐ یہ فقرہ بار بار دہراتے رہے، بار بار دھراتے رہے حتی کہ مجھے خواہش ہوئی کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔ اور مجھے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی ناراضگی کا یہ دن نہ دیکھنا پڑتا‘‘۔

آج اس کے بھی بالکل برعکس تعریف کی جا رہی ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ علماء کی نظر اس حدیث پر نہ ہو؟ آج کھلم کھلا علماء یہ اعلان کر رہے ہیں کہ اگر احمدی ’لا الــــہ الااللہ ‘پڑھے گا تو وہ گردن زدنی ہے۔ اور ہم کسی قیمت پر یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی احمدی’لا الہ الا اللہ‘ پڑھے یا ’لا الہ الا اللہ ‘ کا بیج اپنے سینے پر لگا کر پھرے۔ یہاں تک فتوے دیئے گئے کہ اگر ہم نے اب دیکھا کہ کوئی احمدی’لا الہ الا اللہ‘ پڑھتا ہے تو ہم اس کا ناک اور کان کاٹ دیں گے۔ اور یہاں تک فتوے دیئے گئے کہ ہر مسلمان پر ایسے احمدی کا قتل واجب ہو جاتا ہے۔ جو ’لا اله الا الله محمد رسول الله‘ پڑھتا ہے۔

اور دلیل وہ دی جس کو آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہمیشہ کے لئے رد فرما چکے ہیں۔ کہا یہ کہ اس لئے ہم یہ کہتے ہیں کیونکہ ان کے دل میں ’لا الـــہ الا اللہ‘ نہیں ہے صرف زبان پر جاری ہے۔

حیرت انگیز بات ہے۔ ایسی باغیانہ حرکت اس آقا کے خلاف جس کی غلامی کا دم بھرتے ہیں۔ کھلم کھلا بغاوت اور پھر اصرار اس بغاوت پر اور اس بغاوت کے نتیجہ میں ظلم اور تعدی پر ایسا عملدرآمد ہے کہ حکومت کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ بھی علماء کے پیچھے چل کر ہر ایسے احمدی کے قتل عام کا اعلان کر دے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اعلان کرتا ہے۔ یعنی خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

پس جہاں تک مسلمان کی تعریف کا تعلق ہے مجھے تو یہی تین تعریفیں نظر آئی ہیں اور یہی تین تعریفیں پسند ہیں اور ان کے سوا میں اور کسی تعریف کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ یہ تعریفیں بانی اسلام حضرت محمد ﷺ کی تعریفیں ہیں۔

علماء کا عذر لنگ

ایک اور دلچسپ بات یہاں بیان کرنے کے لائق یہ ہے کہ تحقیقاتی عدالت کی اس رپورٹ پر کہ ’’کوئی دو علماء بھی کسی ایک تعریف پر متفق نہیں ہو سکے‘‘ پر تبصرہ کرتے ہوئے بعد میں علماء نے یہ تنقید کی کہ دراصل ہمیں کافی وقت نہیں دیا گیا۔ ہم تیار ہی نہیں تھے اس سوال کے جواب کے لئے۔ اگر ہمیں پورا وقت مل جاتا تو پھر ایسی تعریف ضرور بنا لیتے جس پر ہمارا اتفاق ہو جاتا۔

(مرتضی احمد خان میکش درانی۔ ’’محاسبہ‘‘ یعنی عدالت تحقیقات فسادات پنجاب (۱۹۵۳ء) کی رپورٹ پر ایک جامع اور بلیغ تبصرہ۔ لاہور۔ روزنامہ نوائے وقت پاکستان: صفحہ ۳۸)

علماء کی اختراع کردہ تعریف

چنانچہ ایک لمبے عرصے تک ان کو انتظار کرنا پڑا۔ ۵۳ء کی تحریک پر سال ہا سال گزر گئے تو ۱۹۷۴ء میں جا کر علماء نے وہ تیاری کی اور اسلام کی وہ نئی تعریف ایجاد کی جس کا بانی اسلام اور قرآن و سنت سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ اس تعریف میں ایک منفی پہلو داخل کیا گیا اور وہ منفی پہلو یہ تھا کہ مسلمان وہ ہے جو محض **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا اقرار نہ کرے بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے کذب کا اقرار بھی کرے اور آپ کی نبوت کا کھلا انکار کرے۔ جب تک وہ اس تعریف کے مطابق مسلمان نہیں بنتا وہ مسلمان نہیں کہلا سکتا۔

(درخواست برائے رجسٹریشن زیر دفعہ ۴(۱) نیشنل رجسٹریشن ایکٹ فارم الف شائع کردہ حکومت پاکستان ڈائریکٹوریٹ جنرل آفس رجسٹریشن، (وزارت داخلہ)

اس تعریف میں جو نیا دروازہ کھولا گیا ہے اس کے بہت سے بد نتائج نکلے بھی ہیں اور آئندہ بھی نکلیں گے۔ لیکن بنیادی طور پر اس تعریف پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ تعریف تو زمانے سے آزاد ہوا کرتی ہے۔ تعریف جغرافیائی قیود سے آزاد ہوا کرتی ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ اسلام کی جو تعریف آنحضرت ﷺ کے زمانے پر اطلاق پا نہیں سکتی وہ آج درست تعریف کے طور پر قبول کر لی جائے۔ صرف وہی تعریف قابل قبول ہوگی جو آنحضرت ﷺ کے زمانے پر اطلاق پائے اور پھر ہر زمانے پر اطلاق پاتی چلی جائے۔ ایک لمحہ بھی ایسا نہ گزرے جس میں وہ تعریف ناکارہ ثابت ہو جائے اور صرف پاکستان ہی میں اس کا اطلاق نہ ہو بلکہ ساری دنیا کے ہر ملک میں، مشرق کا ہو یا مغرب کا، شمال کا ہو یا جنوب کا، وہ تعریف بعینہ اسی طرح صادق آتی چلی جائے۔ مگر یہ ایک عجیب تعریف ہے جس کا ۱۹۷۴ء سے پہلے اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے پر بھی اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ بکثرت ایسے احمدی فوت ہو گئے جو اس تعریف کے بننے سے پہلے مسلمان کہلاتے ہوئے اس دنیا سے چلے گئے، اور چونکہ یہ تعریف موجود نہیں تھی اور کسی کا تصور اس تعریف کی طرف نہیں گیا تھا اس لئے اس تعریف کی رو سے وہ مسلمان ہی تھے۔

اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے کے مسلمانوں کا کیا کہو گے کیونکہ انہوں نے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار نہیں کیا؟ ان کے لئے تو **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**‘ ہی کافی تھا۔ اس لئے جو تعریف پہلے زمانوں پر اطلاق نہیں پا سکتی وہ اب بھی غلط ہے۔ اب بھی اطلاق نہیں پا سکتی۔

اگر علماء یہ کہیں کہ اس وقت کوئی جھوٹا نبی تھا ہی نہیں اس لئے تعریف میں جھوٹے نبی کا ذکر آ نہیں سکتا تھا تو اس سے بڑا جھوٹ اور کوئی نہیں کیونکہ سب سے پہلے اور سب سے یقینی آنحضرت ﷺ کے مقابل پر دعویٰ کرنے والا آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ یعنی مسیلمہ کذاب۔ اور اس دعویدار کی موجودگی میں نہ آنحضرت ﷺ نے اسلام کی تعریف بدلی نہ آپ ؐ کے خلفاء نے اسلام کی تعریف بدلی۔ نہ تبع تابعین نے اسلام کی تعریف بدلی، نہ بعد کی آنے والی نسلوں نے اسلام کی تعریف بدلی۔ کیا آنحضرت ﷺ کو خیال نہیں آیا۔ کہ جب تک اسلام کی تعریف میں اس جھوٹے نبی کا انکار نہ داخل کر لوں اس وقت تک مسلمان کی تعریف مکمل نہیں ہوگی؟ اس لئے لاؤ اب اپنا جواب۔ نظریں دوڑاؤ سارے عالم اسلام پر۔ ایک دن کے لئے بھی اس ۷۴ء کے واقعہ سے پہلے ایسی تعریف چسپاں کر کے دکھاؤ کہ جب تک، نعوذ باللہ، مبینہ طور پر کسی جھوٹے نبی کا انکار تعریف میں داخل نہ ہو جائے اس وقت تک مسلمان، مسلمان نہیں بن سکتا۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۱۸؍جولائی ۱۹۹۷ء تا ۲۴؍جولائی ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۲

مودودی صاحب کی اختراع کردہ تعریف

یہ تعریفیں اپنی جگہ ۔ مولانا مودودی نے ایک الگ تعریف پیش کی ہے۔ اس تعریف کی تفصیل تو نہیں بتائی لیکن اس کا اطلاق کر کے دکھا دیا ہے۔ میں اس کا نمونہ بھی آپ

کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں تا آپ دیکھیں کہ اگر مولانا مودودی کی تعریف کی رو سے آج پاکستان کے مسلمانوں کے چہرے دیکھے جائیں تو ان پر مسلمان لکھا ہوا نظر آئے گا یا کافر لکھا ہوا نظر آئے گا؟ چونکہ موجودہ حکومت کا یہ دور مودودی نواز دور ہے اور مودودی اور وہابی طرز خیال کے علماء اس حکومت پر قبضہ کئے ہوئے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ مودودی تعریف کو اس وقت آپ کے سامنے پیش کیا جائے۔''مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش'' حصہ سوم میں مودودی صاحب فرماتے ہیں:

''یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق و باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔ نہ ان کا اخلاقی نقطہ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آ رہا ہے، اس لئے یہ مسلمان ہیں۔ نہ انہوں نے حق کو حق جان کر اسے قبول کیا ہے، نہ باطل کو باطل جان کر اسے ترک کیا ہے۔ ان کی کثرت رائے کے ہاتھ میں باگیں دے کر اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی، اسلام کے راستے پر چلے گی تو اس کی خوش فہمی قابل داد ہے''۔

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش۔ بار ششم، اچھرہ لاہور۔ مکتبہ جماعت اسلامی حصہ سوم صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶)

۱۹۷۴ء میں جو واقعہ ہوا جو تعریف اسلام کی تعریف سمجھی گئی وہ انہی لوگوں کے ہاتھوں میں اسلام کی باگیں دینے کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے۔

اس پر کوئی یہ خیال کر سکتا ہے کہ مودودی صاحب کا خیال یہ تھا کہ عامۃ الناس اگر اکٹھے ہو کر فیصلہ دیں گے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ مودودی صاحب کے ذہن میں یہ بات ہو کہ بڑے بڑے چوٹی کے علماء یہ حق رکھتے ہیں، اور وہ اسلام فہم اور اسلامی ذوق رکھنے کی بناء پر مستند ہو جاتے ہیں اس لئے چونکہ اس فیصلے میں اس قسم کے علماء بھی شامل تھے اس لئے اس کی حیثیت اور ہے یا ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ خیال کرے کہ عامۃ الناس کی بات تو رد کی جائے گی کیونکہ اس قسم کے عامۃ الناس ہیں جیسے مودودی صاحب نے بیان فرمائے ہیں لیکن ان کی منتخب نمائندہ اسمبلی کو تو بہر حال یہ حق حاصل ہونا چاہئے، ان پر یہ فتویٰ جاری نہیں کیا جا سکتا۔ تو ان دونوں باتوں کا جواب میں اپنے الفاظ میں دینے کی بجائے مولانا مودودی کے الفاظ ہی میں دیتا ہوں۔ پہلی بات کا جواب وہ یہ دیتے ہیں:

''خواہ مغربی تعلیم و تربیت پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہوں یا علماء دین و مفتیان شرع مبین (وہاں یہ دو ہی قسم کے لوگ تھے اس اسمبلی میں جس نے وہ تعریف منظور کی جس کی رو سے جماعت احمدیہ خارج از اسلام کہلاتی ہے۔ ناقل) دونوں قسم کے راہنما اپنے نظریہ اور اپنی پالیسی کے لحاظ سے یکساں گم کردہ راہ ہیں۔ دونوں راہ حق سے ہٹ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں......ان میں سے کسی کی نظر بھی مسلمان کی نظر نہیں''۔

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش۔ صفحہ ۷۷، ۷۸)

جہاں تک اس وہم کا تعلق ہے کہ خواہ کیسے ہی ہوں جب ان کو جمہوری قوت حاصل ہو جائے اور جمہور کی نمائندگی حاصل ہو جائے تو پھر ان کے فتوے لازماً چلنے چاہئیں۔ پھر ان کی تعریف لازماً قابل قبول ہونی چاہئے۔ تو اس کا جواب بھی مودودی صاحب کی زبان ہی میں آپ کو دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

''جمہوری انتخاب کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے دودھ کو بلو کر مکھن نکالا جاتا ہے۔ (کیسی عمدہ مثال دی ہے۔ اس سے تو انکار نہیں۔ نہایت خوبصورت مثال ہے۔ مگر اس سے نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ ناقل) اگر دودھ زہریلا ہو تو اس سے جو مکھن نکلے گا قدرتی بات ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ زہریلا ہوگا۔......پس جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو جائے گی، ان کا گمان غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی''۔

(گزشتہ حوالہ صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸)

یہ کل کی باتیں ہیں۔ آج کی باتیں کچھ اور ہو رہی ہیں۔ کیا دین اسلام اس طرح اپنے رنگ بدلا کرتا ہے؟ کیا کوئی بھی حق کی بات اس طرح پینترے بدل کر، مختلف شکلیں اختیار کیا کرتی ہے؟ پھر فرماتے ہیں:

''یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے وہ ہر قسم کے رطب و یابس سے بھری ہوئی ہے۔ کیریکٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافروں میں پائے جاتے ہیں اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں''۔ (سابقہ حوالہ)

ارتداد کی تعریف

اب میں ارتداد کی تعریف کی طرف توجہ کرتا ہوں۔ علامہ راغب اپنی کتاب ''المفردات'' میں لکھتے ہیں:

'' الارتداد والردة: الرجوع فی الطریق الذی جاء منه ، لکن الردة تختص بالکفر ، والارتداد یستعمل فیه و فی غیره ۔ قال تعالیٰ: ان الذین ارتدوا علی ادبارهم۔ و قال: یاایهاالذین آمنوا من یرتد منکم عن دینه۔ و هو الرجوع من الاسلام الی الکفر ......''۔

(حسين بن محمد المعروف بالراغب الاصفہانی۔ المفردات زیر لفظ " رد")

یعنی ارتداد اور ردۃ کے معنی ہیں اس راستے کی طرف واپس چلے جانا جس راستے سے کوئی آیا ہو۔لیکن ردہ کا لفظ کفر کی طرف واپس جانے سے مختص ہے اور ارتداد کا لفظ کفر کی طرف لوٹنے یا کسی اور امر کی طرف لوٹنے کے لئے مشترک ہے۔ جیسے قرآن کریم میں فرمایا:{ان الذین ارتدوا علی ادبارهم}۔نیز فرمایا:{یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینه}۔ یہ دوسری آیت اسلام سے کفر کی طرف لوٹنے کے معنوں میں آئی ہے۔

عظیم حکمت الٰہی

''ارتداد'' ایک ایسا لفظ ہے جو محض لازم استعمال ہوتا ہے اور متعدی استعمال ہو ہی نہیں سکتا۔یعنی مرتد صرف اس کو کہتے ہیں جو خود اعلان کرے کہ میں باہر جا رہا ہوں۔ عربی قواعد کی رو سے یہ اجازت ہی نہیں کہ کوئی دوسرا اس کو مرتد کہہ کر باہر نکال دے۔مرتد کی اپنی مرضی اس میں شامل ہے۔ایسا حیرت انگیز لفظ خدا تعالیٰ نے چنا ہے ارتداد کے اظہار کے لئے کہ دوسرے کے دخل سے ہر مسلمان کو آزاد کرتا ہے۔چنانچہ قرآن کریم نے بھی ایسی ہی تعریف فرمائی ۔فرمایا:

﴿ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ...... ﴾ (الکھف:۳۰)

کہ دیکھو! تمہارے رب کی طرف سے حق آ چکا ہے اب ہر شخص کا اختیار ہے۔چاہے تو ایمان لائے اور چاہے تو کفر اختیار کرے۔

کسی کو کسی کی تکفیر کا حق نہیں

اور چاہنے کا تعلق دل سے ہے۔کہیں قرآن کریم نے اجازت نہیں دی کہ چاہو تو فلاں کو مومن قرار دے دو اور چاہو تو فلاں کو کافر قرار دے دو، بلکہ ہر شخص کا اپنا حق رکھا اور اس اعلان کی اجازت دی۔اب اس اعلان میں کسی جبر کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی کہ {مَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُر}۔اگر ارتداد کی سزا قتل ہے یا کفر کی سزا قتل ہے تو{مَنْ شَآءَ} کے کیا معنی رہ جاتے ہیں؟ اپنی مرضی کو ہر شخص خود بنا سکتا ہے۔پس اگر کسی سے پوچھا جائے کہ تم کافر ہوتے ہو یا مومن رہتے ہو اور وہ کہہ دے کہ میں مومن ہوں، میں مسلمان ہوں، تو چونکہ '' شآء'' کا تعلق دل سے ہے اس لئے کسی اور کو قرآن اجازت ہی نہیں دیتا کہ اس کے دل کی بات وہ بیان کرے۔

نظریہ قتل مرتد ۔ قرآن کریم کی روشنی میں

اسلام جس شاندار مذہبی آزادی کی تعلیم دیتا ہے اس کے متعلق چند آیات آپ کے سامنے رکھنے کے بعد میں ان دلائل کی طرف متوجہ ہونگا جو قتل مرتد کے جواز میں علماء کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلی آیت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (سورہ البقرہ:۲۵۷)

کہ دیکھو! دین کے معاملے میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں اور اس کی ضرورت ہی نہیں۔کیوں؟ اس لئے کہ ہدایت اور گمراہی کا فرق خوب ظاہر ہو چکا ہے۔ قد تبین الرشد من الغی۔پس جو شخص اپنی مرضی سے نیکی سے روکنے والے کی بات ماننے سے انکار کرے اور اللہ پر ایمان رکھے اس نے ایک مضبوط، قابل اعتماد چیز پر ہاتھ ڈال لیا جو ٹوٹنے کی نہیں، یا وہ ہاتھ اب اس چیز کو چھوڑنے والا نہیں۔

یہ ایک بہت ہی گہری حکمت کی بات پیش کرنے والی آیت ہے۔یہاں بالکل برعکس مضمون بیان ہوا ہے۔یہ نہیں فرمایا کہ تمہیں حق ہے کہ لوگوں کو ارتداد اختیار کرنے سے روکو۔فرمایا کسی کو حق نہیں ہے کہ تمہیں اپنا دین چھوڑنے پر مجبور کرے۔ فرمایا چونکہ حق ظاہر ہو گیا ہے اور دین میں جبر نہیں ہے۔تم تو جبر نہیں کرو گے کیونکہ خدا کا تمہیں حکم مل چکا ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔لیکن غیر کا جبر بھی نہیں چل سکتا، کیونکہ تم نے حق کو حق سمجھ کر قبول کیا ہے، ایک مضبوط کڑے پر ہاتھ ڈال بیٹھے ہو۔پس جو طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کرے گا اور ان کے دین میں لوٹنے سے انکار کر دے گا اور اللہ کے ایمان پر قائم رہے گا اس نے گویا ایک مضبوط کڑے پر ہاتھ ڈال دیا۔ ''لا انفصام لھا'' اب یہ تعلق ٹوٹنے کا نہیں۔یعنی جبر تمہارے خلاف استعمال ہوگا۔لیکن ہم جانتے ہیں کہ تم ایسے روشن مقام پر فائز ہو کہ کسی طرح بھی اندھیروں کی طرف لوٹ جانے والے نہیں۔

دوسری آیت

﴿ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ (سورہ المائدہ :۹۳)

کہ تم اللہ کی بھی اطاعت کرو اور رسول کی بھی اطاعت کرو اور ہوشیار رہو۔ اگر اس تنبیہ کے باوجود بھی تم پھر گئے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف کھول کر بات پہنچا دینا ہے۔ (قتل کرنا نہیں)۔

اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو اس کا تو فوری جواب یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہم نے خوب بات کھول دی ہے۔ اتنی بات کھولنے کے باوجود اگر تم اس دین سے پھر گئے تو یاد رکھو تلوار تمہارا جواب ہے۔ اور تمہاری گردن کاٹی جائے گی۔

تیسری آیت

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سکیم آف تھنگز (Scheme of Things) یہ نہیں ہے۔ خدا نے دین کا نقشہ بناتے وقت اس میں جبر کو کبھی داخل ہی نہیں ہونے دیا۔ کائنات کی جو تصویر اس کامل مصور نے کھینچی ہے اس میں تو دین اور جبر کا کوئی علاقہ اس نے قائم ہی نہیں ہونے دیا۔ فرمایا:

﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴾ (سورہ یونس:۱۰۰)

کہ دیکھو! اگر اللہ چاہتا کہ مومنوں کی تعداد بڑھ جائے، سارے لوگ ایمان لے آئیں تو اس کا چاہنا ہی کافی تھا اور تمام کے تمام بنی نوع انسان فوراً خدا کی چاہت کے ساتھ ہی ایمان لے آتے۔ جب اللہ نے ایسا نہیں چاہا "افأنت تکرہ الناس" تو اے محمدؐ! کیا تو مجبور کرے گا لوگوں کو وہ ایمان لے آئیں۔

دو اہم اعلان

اس میں دو اعلان ہیں۔ ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ سے ہمیشہ کے لئے جبر کے الزام کی نفی فرما دی گئی، کیونکہ محمد مصطفیٰ کا چاہنا تو وہی تھا جو خدا کا چاہنا تھا۔ آپؐ کا کلام خدا کا کلام تھا۔ آپؐ خدا کی منشا کے تابع بات کرتے تھے۔ {قل ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی لله رب العالمین}۔ یہ ایک ہی نبی ہے جسے خدا نے بنی نوع انسان کے سامنے یہ اعلان کرنے کی اجازت دی کہ میری ساری قربانیاں، میری تو زندگی اور موت کلیۃً خدائے رب العالمین کی ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمایا کہ اے محمدؐ! میں تجھے بتاتا ہوں کہ میرا منشاء ہے کہ دین میں آزادی ہو اور کسی کو زبردستی مومن نہ بنایا جائے تو "افانت تکرہ الناس" کا کلمہ کسی ناراضگی کا کلمہ نہیں بلکہ پیار کا کلمہ ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ تو اب ایسی بات کر نہیں سکتا، کیونکہ تجھے ہمارا منشاء معلوم ہو چکا ہے۔

اور دوسری طرف تمام ان مسلمانوں کے لئے جو بعد کی نسلوں میں آنے والے تھے یہ اعلان تھا کہ اب اگر تم نے دین میں جبر کے عقیدے کی اشاعت کی اور اس کی تلقین کی تو یاد رکھو کہ اللہ اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے واضح منشاء کے خلاف ایسا کرو گے۔ اس کے مطابق کبھی ایسا نہیں کرو گے۔

چوتھی آیت

فَذَكِّرْ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ O لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ O اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ O فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ O (سورہ الغاشیہ: ۲۲ تا ۲۵)

کہ اے محمدؐ! تو تو نصیحت کرنے والا ہے۔ پس نصیحت کرتا چلا جا۔ تو ان لوگوں پر داروغہ مقرر نہیں ہے۔ یعنی اگر کوئی ایمان لایا تو جس طرح داروغے کی حفاظت میں چیزیں دی جاتی ہیں اور کوئی چیز ضائع ہو جائے تو اس کی جواب طلبی ہوتی ہے، ہم ہرگز تیری جواب طلبی نہیں کریں گے۔ یہاں "داروغہ نہیں ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ہم نے تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے تجھے مقرر فرمایا ہے لیکن جبر کے اختیار کو تم سے چھین لیا ہے۔ تو نصیحت کرتا چلا جا۔ اور نہ ماننے والوں کا معاملہ ہمارے ذمہ ہے۔ جو انکار کرے گا، کفر کرے گا تو اس کے لئے عذاب اکبر ہے لیکن جہاں تک تیری ذات کا تعلق ہے تجھ سے ہرگز ان لوگوں کے بارہ میں نہیں پوچھا جائے گا جو انکار کر رہے ہیں۔

علماء کے مزعومہ قرآنی دلائل

اب میں آپ کے سامنے علماء کے چند دلائل پیش کرتا ہوں جو انہوں نے اپنے زعم میں قرآن کریم سے نکال کر نص صریح کے طور پر اپنے عقیدے کی تائید میں پیش کئے ہیں۔

علماء کی پہلی دلیل:

پہلی مزعومہ و مبینہ قرآنی دلیل جو علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے پیش کی ہے ان کی ایک ہی دلیل ہے۔ اپنے رسالہ "الشہاب" میں اپنے استدلال کی بنیاد اس آیت پر رکھتے ہیں:

﴿ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾ (البقرہ : ۵۵)

یعنی اے قوم بنی اسرائیل! تو نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔تم اب خدا کی طرف رجوع کرو۔ پھر اپنے آدمیوں کو قتل کرو۔

اس آیت کا یہ ترجمہ کرکے اس کو قتل مرتد کے عقیدے کی تائید میں پیش کرتے ہوئے یہ تمہید باندھتے ہیں:

’’یوں تو قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں جو مرتد کے قتل پر دلالت کرتی ہیں لیکن ایک واقعہ جماعت مرتدین کے بحکم خدا قتل کئے جانے کا ایسی تصریح اور ایضاح کے ساتھ قرآن میں مذکور ہے کہ خدا سے ڈرنے والوں کے لئے اس میں تأویل کی ذرہ گنجائش نہیں‘‘۔

گویا جو آیتیں میں نے تلاوت کرکے آپ کو سنائی ہیں ان میں (نعوذبالله من ذالک) خدا سے ڈرنے والوں کے لئے بہت گنجائشیں موجود ہیں، لیکن اس واقعہ میں کوئی گنجائش نہیں رہی۔

’’نہ وہاں محاربہ ہے، نہ قطع طریق، نہ کوئی دوسرا جرم۔صرف ارتداد اور تنہا ارتداد ہی وہ جرم ہے جس پر حق تعالیٰ نے ان کے بے دریغ قتل کا حکم دیا ہے......‘‘۔

یعنی آنحضرت ﷺ کے زمانے کا کوئی واقعہ ان کو نہیں ملتا۔نہ ان کے نزدیک قرآن کریم بیان کرتا ہے۔حضرت موسیٰؑ کی قوم کا ایک واقعہ ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اس پر یہ قتل مرتد کے عقیدے کی بناء باندھ رہے ہیں اور لکھتے ہیں:

’’فاقتلوا انفسکم‘‘میں’’ انفسکم‘‘ کے معنے وہ ہی ہیں جو’’ثم انتم هؤلاء تقتلون انفسكم‘‘میں ہیں۔اور قتل کو اپنے اصلی اور حقیقی معنے سے (جو ہر طرح قتل کو خواہ لوہے سے ہو یا پتھر سے شامل ہے) پھیرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں......اس حکم کا نتیجہ جیسا کہ ایک روایت میں ہے یہ ہوا کہ کئی ہزار آدمی جرم ارتداد میں خدا کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے قتل کئے گئے اور صورت حال یہ ہوئی کہ قوم میں سے جن لوگوں نے بچھڑے کو نہیں پوجا تھا ان میں سے ہر ایک نے اپنے اس عزیز وقریب کو جس نے گوسالہ پرستی کی تھی اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔‘‘

اس کی انہوں نے دلیل نہیں دی۔میں آگے چل کر جب آیت پر بحث کروں گا تو آپ حیران ہونگے کہ کس طرح انہوں نے آیت کے مضمون سے کھلا کھلا انحراف کیا ہے۔

’’یہ واضح رہے کہ یہ مقتولین سزا قتل دئے جانے سے قبل ایک طرح کی توبہ بھی کر رہے تھے...... لیکن اس توبہ نے بھی ان کو دنیا کی عقوبت سے نہیں بچایا...... کہا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ موسوی شریعت کا ہے۔امت محمدیہ کے حق میں اس سے تمسک نہیں کیا جا سکتا لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ پہلی امتوں کو جن شرائع اور احکام کی ہدایت کی گئی ہے۔ اور قرآن نے ان کو نقل کیا ہے وہ ہمارے حق میں بھی معتبر ہیں۔اور ان کی اقتداء کرنے کا امر ہم کو بھی ہے، جب تک کہ خاص طور پر ہمارے پیغمبر یا ہماری کتاب اس حکم سے علیحدہ نہ کر دیں......پس اسی قاعدہ سے بنی اسرائیل کے مرتدین کو قتل کئے جانے کے حکم میں بھی تعلیم ہم ہی مسلمانوں کی ہوگی‘‘۔

(مولوی شبیر احمد عثمانی۔ الشهاب لرجم الخاطف المرتاب۔ قاسمی پریس دیوبند ، انڈیا۔ ناشر مولوی محمد طیب و مولوی محمد طاہر۔ صفحہ ۱۵ تا ۱۹)

مسخ حقائق

یہ جو دعویٰ کیا ہے کہ قرون خالیہ کے جن احکام وشرائع کا قرآن کریم میں ذکر ملتا ہے، جب تک قرآن کریم ان پر عمل سے کھلے طور پر منع نہ فرمادے اس وقت تک وہ ہماری شریعت کا حصہ بن جاتے ہیں، بالکل غلط اور بے بنیاد بات ہے۔ایک تاریخی حقیقت کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔اور وہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک قرآن کریم کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی، جب تک شریعت اپنی پوری شکل میں نازل نہیں ہوئی تھی اس وقت تک آنحضرت ﷺ کا یہ دستور تھا کہ اگر قرآن میں کسی خاص مسئلے کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا ہوتو گزشتہ کتب سے نظیر پکڑا کرتے تھے۔(مسلم کتاب الفضائل، بات فی سدل النبی ﷺ شعره)

اور جن امور کے بارہ میں قرآن کریم میں نص صریح نازل ہو چکی ہو ان میں ہرگز کبھی ایک دفعہ بھی آنحضرت ﷺ نے امت مسلمہ کے لئے گزشتہ کتب سے کوئی نظیر نہیں پکڑی۔قتل مرتد کا کوئی ذکر قرآن کریم میں، مرتد کے ذکر کے باوجود بھی موجود نہیں۔مرتد کے بارہ میں تفصیلی تعلیمات موجود ہیں۔بکثرت ذکر موجود ہے۔جب قرآن نے مرتد کے موضوع پر لب کشائی فرمائی اور قتل کا ذکر نہ فرمایا تو یہ استدلال نہایت کج استدلال ہے کہ قرون خالیہ میں کسی واقعہ کا ذکر موجود ہے اور اس کا انکار نہیں کیا گیا اس لئے ہم اس سے نظیر پکڑتے ہوئے اسے شریعت کا حصہ بنالیں گے اور یہ ہم پر فرض ہے۔یہ بات بالکل غلط ہے۔سنت کے بالکل خلاف ہے۔ہمیشہ بلا استثناء جب کسی موضوع پر حکم نہیں ملتا تھا اس وقت آنحضرت ﷺ پرانی امتوں یعنی تورات کی تتبع کیا کرتے تھے۔جب اس موضوع پر حکم آجاتا تھا تو ہرگز اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔

اور اب دوسرے استدلال کا قصہ سنئے اور دیکھئے کہ مرتد کی سزا کا موضوع ہے بھی کہ نہیں۔عثمانی صاحب درج ذیل آیت کریمہ پیش کرتے ہیں:﴿ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَ يَغْفِرْلَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾۔(الاعراف:۱۵۰)۔ یعنی جب وہ معاملہ ان کے ہاتھ سے جاتا رہا اور انہوں نے خوب کھول کر یہ بات دیکھ لی کہ وہ گمراہ ہوگئے اور غلطی کی تھی تو انہوں نے کہا اگر خدا تعالیٰ ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہماری بخشش نہ کرے یا ہم پر رحم نہ فرماتا اور ہماری

بخشش نہ کرتا تو ہم یقیناً گھاٹا پانے والوں میں سے ہوتے۔اور پھر استدلال فرماتے ہیں کہ:

’’دیکھو! باوجود اس کے کہ انہوں نے توبہ کرلی، باوجود اس کے کہ ان کی مغفرت ہوگئی پھر بھی قتل کا حکم جاری فرمادیا‘‘۔(مجلّہ الشہاب صفحہ ۱۸)۔

گویا مولوی صاحب کے نزدیک گھاٹا پانے والوں کی یہ تعریف ہے۔

حادثہ کے بارہ میں قرآن میں مذکور تفاصیل

اب پورا واقعہ قرآن کریم کے پیش کردہ سیاق وسباق کی روشنی میں سنئے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ O ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ O وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ O وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾۔(البقرہ:۵۲تا۵۵)۔

یعنی اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا۔پھر تم نے اس کے چلے جانے کے بعد ظالم بن کر بچھڑے کو معبود بنالیا۔پھر ہم نے اس کے بعد بھی تمہیں معاف کردیا تاکہ تم شکر گزار بنو۔

یہ معافی اور عفو کا سلوک مولوی عثمانی صاحب کے نزدیک یہ تھا کہ ایک طرف کہا کہ ہم تمہیں معاف کررہے ہیں اور دوسری طرف سے قتل کا حکم دے دیا اور گویا وہ شکرادا کرتے کرتے قتل ہوگئے کہ اے خدا! تیرے بڑے ہی ممنون ہیں۔تونے کمال معاف کردیا۔کسی انسان سے ایسا عفو ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ایسی مغفرت کبھی سننے میں بھی نہیں آئی تھی کہ زبان سے عفو کا حکم جاری ہے اور اشارے یہ ہورہے ہیں کہ ان کو قتل کرتے چلے جاؤ۔اس سے بڑا عفو ممکن نہیں۔

پھر فرماتا ہے اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی تورات اور فرقان یعنی معجزات دیئے تاکہ تم ہدایت پاؤ اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم تم نے بچھڑے کو معبود بناکر اپنی جانوں پر بہت ہی ظلم کیا ہے۔پس اللہ سے توبہ کرو اور توبہ کے بعد اپنے نفسوں کو قتل کرو۔یہ بات تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے حق میں بہت اچھی ہے۔(جب تم نے ایسا کرلیا) تب اس نے تمہاری طرف فضل کے ساتھ پھر توجہ کی۔وہ یقیناً اپنے بندوں کی طرف بہت توجہ کرنے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

یہ آخری آیت وہ آیت ہے جس کا غلط ترجمہ کرکے آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے حالانکہ یہاں ’’فاقتلوا انفسکم‘‘ میں مذکور ’’انفسکم‘‘ وہی ’’انفسکم‘‘ ہیں جن کا ذکر ’’ظلمتم انفسکم‘‘ میں ہوا ہے۔سو ’’فاقتلوا انفسکم‘‘ سے مراد یہ ہے کہ ظلم کرنے والا اپنے نفس کو قتل کرے۔کہیں بھی ہرگز یہ نہیں لکھا کہ ایک دوسرے کو قتل کرو۔بلکہ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا ان کو مخاطب کرکے کہا جارہا ہے کہ جن جانوں پر تم نے ظلم کیا ہے ان کو قتل کردو۔

’’قتل نفس‘‘ کا مفہوم

اور قتل نفس کا یہاں مطلب عربی لغت کی رو سے واضح طور پر یہ ہے کہ گریہ وزاری اور Penance کے ذریعہ، توبہ واستغفار کے ذریعہ اپنے نفس امارہ کو کچلو۔ ایک ظلم تم نے کیا شرک کرکے۔اب شرک کے اثر مٹانے کے لئے دوسرا ظلم یہ کرو کہ اپنے نفس کو توجہ دلاؤ، باربار توبہ واستغفار کرو۔

علامہ شبیر عثمانی صاحب کو یہ واضح بات سمجھ نہیں آرہی کہ ایک ایسی بات کی ہے جس کا قرآن سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ان کو یہ بات تو سمجھ آ گئی کہ جنہوں نے خود ظلم کیا ہے وہ اپنے آپ کو کس طرح قتل کریں گے؟ خودکشیاں کرلیں توبہ کے بعد؟ اس کا حل یہ بتایا کہ ان کو حکم یہ تھا کہ تم لوگوں میں سے جن لوگوں نے گناہ نہیں کیا وہ باقی ان سب کو قتل کردیں جنہوں نے گناہ کیا ہے۔یعنی جو اپنے دین پر قائم رہے وہ مرتدین کو قتل کردیں۔حالانکہ قرآن کریم مخاطب ہی ان کو کررہا ہے جنہوں نے ظلم کیا تھا اور کہیں بھی کسی آیت میں بھی سارے مضمون میں جہاں جہاں بھی بیان ہوا ہے ان لوگوں کا کوئی ذکر ہی نہیں جنہوں نے گناہ نہیں کیا تھا۔ان کو کہیں نہیں فرمایا کہ تم قتل کرو۔

قرآن اور تورات کے بیانات میں تضاد

مولوی عثمانی صاحب کو زیادہ سے زیادہ ہم یہ حق دے سکتے ہیں کہ انہوں نے بائبل سے اس واقعہ کی تفصیل معلوم کی ہوگی۔ لیکن اگر بائبل سے تفصیل معلوم کرتے تو پھر بھی یہ کہانی نہ بنتی۔کیونکہ بائبل تو اس بارہ میں قرآن سے بڑا واضح اور شدید اختلاف کررہی ہے۔اس اختلاف کے بعد بائبل کی یہ روایت مسلمانوں کے لئے قابل اعتماد نہیں رہتی کیونکہ بائبل میں تو یہ لکھا ہے کہ گناہ سب نے کیا تھا لیکن وہ گناہ کروانے والا سامری نہیں تھا بلکہ موسیٰ کا بھائی ہارون تھا۔ ہارون نے خود وہ شرک کا طریق ایجاد کیا اور موسیٰ کو یہ

جواب دیا کہ میں تو مجبور ہو گیا تھا۔ساری قوم مجھ پہ غالب آ گئی تھی۔کوئی نیک ان میں نہیں رہے تھے۔مجھے یہ ترکیب سوجھی کہ میں نے ان کے زیور اکٹھے کئے اور ان کو آگ میں جھونک دیا اور اس آگ سے یہ بچھڑا نکل آیا۔اس پر بائبل کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ نے نعوذ باللہ من ذالک یہ انصاف جاری کیا کہ بنی لاوی کو جوان کا اپنا خاندان تھا بلایا کہ اگر تم میرے ساتھ وفادار ہو تو ادھر آ جاؤ۔باوجود اس کے کہ وہ اس جرم کے بانی مبانی تھے،ان کو بلایا اور حکم دیا کہ باقیوں کو قتل کر دو۔اس طرح تین ہزار آدمی اس دن مارے گئے۔ (عہد نامہ قدیم ، خروج باب ۳۲ آیات ۲ تا ۲۸)

یہ ہے قتل مرتد کی عثمانی دلیل جس کو قرآنی دلیل کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔

یہود کی توبہ قبول ہوئی

جہاں تک قرآن کا تعلق ہے قرآن اس بات کو یوں کھلا کھلا رد کر رہا ہے کہ کوئی انسان جس میں تقویٰ کا شائبہ بھی ہو اس بات کے بعد مرتد کی سزا قتل کا جواز یہاں سے نہیں نکال سکتا۔کیونکہ قرآن کریم کے نزدیک اس واقعہ، اس ظلم کا بانی مبانی سامری تھا مگر سامری کے قتل کا بھی حکم نہیں دیا گیا۔جو لیڈر تھا اس کو یہ سزا ملی کہ {ان لک فی الحیوٰۃ ان تقول لامساس}(طٰہٰ :۹۸)۔ساری عمر تجھے ''لامساس'' کہنا ہے۔تیرا بائیکاٹ ہو گا یا تجھے ایسی بیماری پڑے گی جس سے تیرا بدن مکروہ ہو جائے گا۔تو ہمیشہ کہتا رہے گا کہ میرے پاس نہ آؤ۔مجھے چھُو (Touch) نہ کرو۔مجھ سے دور رہو۔میں پلید انسان ہوں۔قتل کا حکم تو کہیں نہیں دیا گیا۔

اور پھر مسلسل ہر جگہ جہاں جہاں اس قصہ کا ذکر ہے قرآن کریم کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کو قبول فرما لیا۔نہ صرف یہ کہ تم نے توبہ کی، فرماتا ہے ہم نے تو اس توبہ کو قبول فرما لیا۔اور یہ ہمارا احسان ہے جو ہم تمہیں یاد کرواتے ہیں۔چنانچہ فرماتا ہے۔﴿ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ عِنْدَ بَارِئِکُمْ ؕ فَتَابَ عَلَیْکُمْ ؕ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴾۔(البقرہ : ۵۵)

نہ صرف یہ کہ تم توبہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف جھکے بلکہ خدا نے بھی تمہاری توبہ کو قبول فرمایا ''انہ ھو التواب الرحیم'' دیکھو دیکھو کیسا پیارا، کیسا بار بار توبہ قبول کرنے والا، خدا ہے اور کتنا رحم کرنے والا ہے۔

کیا یہ ان کے دل کی آواز تھی جو توبہ کے باوجود یہ دیکھ رہے تھے کہ ان کی گردن زنی کا حکم دے دیا گیا ہے۔ان کے قتل عام کا حکم دے دیا گیا ہے۔؟؟ کتنا ظالمانہ الزام ہے قرآن کریم پر؟ کیسا واضح اور کھلا کھلا انحراف ہے قرآن کریم کے منشاء سے؟ اور پھر کہتے ہیں کہ ہم قرآن کریم سے قتل مرتد کے جواز میں دلائل لے کر آ رہے ہیں اور جس میں ذرا سی بھی عقل ہو گی وہ بھی اس چکر میں سے نکل کر باہر نہیں جا سکتا۔الٹ کہنا چاہئے۔کہنا یہ چاہئے تھا کہ جس میں ذرا بھی عقل ہو گی وہ اس پھندے میں پڑ نہیں سکتا۔کیونکہ قرآن کریم کی یہ آیات اجازت ہی نہیں دیتیں کہ کسی طرح ان سے قتل مرتد کا جواز نکالا جائے۔

قتل معنوی

پھر اس سے اگلی آیت کے معاً بعد ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔{ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ}۔کہ پھر ہم نے تمہارے مرنے کے بعد دوبارہ تمہیں زندہ کر دیا تا کہ تم شکر گزار بنو۔

گویا وضاحت کر دی اس موت کی جس کو اپنے نفسوں پر وارد کرنے کا حکم انہیں دیا گیا تھا اور بتا دیا کہ وہ لوگ مادی لحاظ سے نہیں مارے گئے تھے، قتل نہیں ہوئے تھے۔بلکہ انہوں نے اپنے لئے اپنے نفس پر ایک موت وارد کر لی تھی اور اسی کا حکم تھا۔اور جب انسان اپنے نفس پر خدا کی خاطر موت وارد کرتا ہے تو اس کی زندگی خدا کے ذمہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے '' تاب '' کا مضمون بھی بیان فرما دیا کہ کس طرح اس نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔انہوں نے اپنے نفسوں کو مارا، خدا نے ان کو نئی زندگی عطا کر دی۔جس پر وہ شکر کرتے تھے کہ ہم مردہ قوم تھے۔کس طرح خدا نے ہمیں روحانی طور پر زندہ کر دیا۔واقعتاً ہم پر شکر واجب ہو جاتا ہے۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۲۵ ؍جولائی ۱۹۹۷ء تا ۷؍اگست ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۳

قدیم مفسرین کی رائے

اور بھی اس ضمن میں قرآنی آیات اور دلائل ہیں مگر چونکہ آج کل کے علماء قرآن سے بہت زیادہ قرون وسطیٰ کے فقہاء اور علماء کے فتووں کے قائل ہیں اس لئے میں باقی آیات کے بیان کو چھوڑتا ہوں اور چند تفاسیر کے فیصلے آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

(۱) **تفسیر روح البیان** میں لکھا ہے:

’’فاقتلوا انفسکم ‘‘ بقمع الھویٰ، لان الھویٰ ھو حیاۃ النفس، وارجعوا بالاستنصار علی قتل النفس بنھیھا عن ھواھا۔ فاقتلوا انفسکم بنصر اللہ وعونہ۔ ذالک خیر لکم عند بارئکم۔ یعنی قتل النفس بسیف الصدق خیر لکم لأن بکل قتلہ رفعۃ و درجۃ لکم عند بارئکم، فانتم تتقربون الی اللہ بقتل النفس و قمع الھویٰ، و ھو یتقرب الیکم بالتوفیق للتوبۃ والرحمۃ علیکم ………… و ذالک قولہ : فتاب علیکم انہ ھوالتواب الرحیم‘‘۔

(شیخ اسماعیل حقی البروسوی۔ تفسیر روح البیان۔ سورہ البقرہ آیت : و اذ قال موسی لقومہ یقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم …… الخ)

کہ جب قرآن فرماتا ہے کہ اپنے نفسوں کو قتل کرو تو مراد ہے کہ اپنی ہوا و ہوس کو قتل کرو۔ گندی تمناؤں کو کچلو۔ کیونکہ ہوا و ہوس ہی نفس کی جان ہیں۔ یہ بات تمہارے رب کے نزدیک تمہارے حق میں بہتر ہے۔ کیونکہ جتنی بار تم نفس امارہ کو کچلو گے اتنا ہی تم خدا کے حضور رفعت، درجات میں ترقی کرو گے۔ اور وہ بھی تمہیں مزید نیکیوں کی توفیق دے کر رحمت کا سلوک فرماتے ہوئے تمہارے قریب ہوتا جائے گا۔ ’’ **فتاب علیکم انہ ھو التواب الرحیم** ‘‘ کا مطلب ہے۔

۲۔ **امام راغب اصفہانی** فرماتے ہیں:

وقولہ : فاقتلوا انفسکم ‘‘ قیل : معناہ : لیقتل بعضکم بعضًا۔ و قیل: عنی بقتل النفس اماطۃ الشھوات‘‘

(المفردات فی غریب القرآن۔ زیر لفظ قتل)

کہ قتل نفس سے بعض لوگوں نے ظاہری قتل مراد لیا ہے لیکن ایک خیال علماء کی طرف سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد شہوات نفسانیہ کو ختم کرنا اور کچلنا ہے۔

بہرحال کافی ہوگئی اس دلیل کے ساتھ۔ اب میں دوسری دلیل کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

علماء کی دوسری دلیل

قتل مرتد کے جواز میں دوسری مزعومہ دلیل مودودی صاحب اپنے رسالہ میں پیش فرماتے ہیں مگروہ مولانا عثمانی صاحب کی دلیل کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ گویا ان کے نزدیک بھی اس دلیل کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ ورنہ اگر وہ اتنی مضبوط ہوتی تو وہ اس کی طرف بھی متوجہ ہوتے۔

انہوں نے ایک اور استدلال سورہ توبہ کی درج ذیل آیت سے کیا ہے۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ ؕ وَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ O وَاِنْ نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَھْدِھِمْ وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّۃَ الْکُفْرِ ۙ اِنَّھُمْ لَآ اَیْمَانَ لَھُمْ لَعَلَّھُمْ یَنْتَھُوْنَ O (توبہ : ۱۱،۱۲)

مودوی صاحب کا استدلال

فرماتے ہیں۔ ’’پھر اگر وہ کفر سے توبہ کرلیں اور نمازیں قائم کریں اور زکوۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ ہم اپنے احکام ان لوگوں کے لئے واضح طور پر بیان کرتے ہیں جو جاننے والے ہیں۔ لیکن اگر وہ عہد (یعنی قبول اسلام کا عہد) کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر زبان طعن دراز کریں تو پھر کفر کے لیڈروں سے جنگ کرو کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ شاید وہ اس طرح باز آجائیں‘‘۔

(مودودی ’’مرتد کی سزا اسلامی قانون میں‘‘ طبع اول اچھرہ لاہور۔ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ۱۹۵۱ء صفحہ ۹)

یہ ٹکڑہ آیت ’لعلھم ینتھون‘ اس سارے استنباط کے بخئیے ادھیڑ دیتا ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر میں بیان کروں گا۔ پھر مودودی صاحب کہتے ہیں:

’’یہاں عہد شکنی سے مراد کسی طرح سیاسی معاہدات کی خلاف ورزی نہیں لی جاسکتی، بلکہ سیاق عبارت صریح طور پر اس کے معنی ’’اقرار اسلام سے پھر جانا‘‘ متعین کر دیتا ہے۔ اور اس کے بعد ’فقاتلوا ائمۃ الکفر‘ کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتے کہ تحریک ارتداد کے لیڈروں سے جنگ کی جائے‘‘۔

(گزشتہ حوالہ صفحہ ۱۰)

مودودی استدلال کا تجزیہ

اس میں بہت سی باتیں محل نظر ہیں۔ پہلی بات تو مودودی صاحب کا یہ دعویٰ کہ سیاق وسباق کو دیکھا جائے تو یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ عہد سے مراد قبول اسلام کا عہد

ہے۔ یہ دعویٰ سیاق وسباق سے ہی دیکھا جائے تو غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ یہ سورہ توبہ کی آیات ہیں اور قرآن کریم سورہ توبہ میں یہ مضمون بیان فرمارہا ہے کہ مشرکین جنہوں نے تم سے عہد باندھا تھا وہ عہد کو توڑنے والے ہیں، اوران کے عہد کا کوئی اعتبار نہیں، اوران سے تمہیں جنگ کرنی پڑے گی۔ چنانچہ اس سورت کا آغاز ہی اس آیت سے ہوتا ہے:

﴿ بَرَآءَ ةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (سورہ التوبہ : ۱)

مشرکین کے مسلمان ہونے کا کہاں ذکر آ گیا اس میں؟ فرماتا ہے مشرکین ہیں جن کے ساتھ عہد کی ہم بات کرتے ہیں۔ مشرکین میں سے جن لوگوں نے اپنے عہد کو تم سے توڑا ان کے خلاف ہم تمہیں جنگ پر آمادہ کرتے ہیں۔ پھر ذرا آگے چل کے فرمایا:

﴿ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَاللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ. اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ O كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْاعَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَاذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ O اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآ ءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَاذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴾(توبہ:۷ تا۱۰)

کہیں اشارۃً بھی مسلمانوں کا ذکر نہیں۔ فرماتا ہے کیسے خدا اوراس کے رسول کے نزدیک مشرکین کے عہد کی کوئی وقعت ہوسکتی ہے؟ سوائے ان لوگوں کے جن کے ساتھ تم نے مسجد حرام میں ایک عہد باندھا ہے۔ یہ مشرکین جب تک اپنے عہد پر قائم رہیں، تمہارے ذمہ ہے کہ ان کو اپنی تکلیف وایذاء سے محفوظ رکھو۔ ہرگز ان کے خلاف کسی قسم کی کوئی کارروائی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔{كيف و ان يظهروا عليكم لا يرقبوا فيكم الا و لا ذمة} کیسے ان کے عہد کی کوئی اہمیت ہوسکتی ہے جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پالیں تو تمہارے بارہ میں نہ کوئی رشتہ داری ان کو منظور خاطر ہوگی، نہ کسی عہدہ کی وہ پروا کرنے والے ہونگے۔ وہ منہ سے صرف تمہیں راضی کرنے کی باتیں کرتے ہیں جبکہ ان کے دل باغی ہیں، تم سے متنفر اور دور ہیں۔ انہوں نے اللہ کی آیات کے بدلے دنیا کا تھوڑا مال لینا منظور کرلیا ہے اور اس کی راہ سے لوگوں کو روکنے والے ہیں۔ کسی مؤمن کے بارہ میں وہ کسی رشتہ داری کا لحاظ نہیں کرتے اور نہ عہد و پیمان کا۔ اور وہ حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔

کیا یہ مسلمانوں کی باتیں ہو رہی ہیں؟ یہ ہے سیاق وسباق اس آیت کا۔ حیرت کی بات ہے کہ مودودی صاحب کس طرح یہ کہتے ہیں کہ سیاق وسباق کو دیکھو تو قطعاً ثابت ہوجائے گا کہ قرآن کریم میں جس عہد کا ذکر چلا ہے وہ عہد مسلمانی، عہد بیعت ہے۔ پھر فرماتا ہے:

﴿ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ ؕ وَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ (توبہ:۱۱)

یہ آیت ایک جملہ معترضہ کے طور پر بیچ میں آئی ہے۔ عہد کے ذکر کو وقتی طور پر چھوڑ کر یہ بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں میں سے جن کے ساتھ تمہارا عہد ہے اگر کوئی اسلام قبول کرلیں تو پھر ان سے تمہیں صرف نظر کرنی چاہئے۔ ان سے تمہارا جھگڑا ہی ختم ہوجاتا ہے۔ ان کا معاملہ ہی بدل جاتا ہے۔

پھر دوبارہ اس عہد کی بات شروع ہوئی جو شروع سے چلی آرہی ہے کہ:

﴿ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴾ (توبہ:۱۲)

یعنی پھر اگر وہ عہد کو توڑتے ہیں اور تمہارے دین میں طعن کرتے ہیں (صرف عہد توڑنا کافی نہیں۔ کیسا عظیم کلام ہے۔ کیسی عظیم رحمت ہے کہ باوجود اس کے کہ مشرک عہد کو توڑ رہے ہیں پھر بھی ان کی سزا کا حکم نہیں آتا۔ فرماتا ہے کہ اگر ایسے ذلیل ہوجاتے ہیں کہ عہد بھی توڑتے ہیں اور پھر تمہیں تکلیفیں بھی پہنچاتے ہیں۔ کھلم کھلا بغاوت کرتے ہیں تو) پھر تم ضرور کفر کے ائمہ سے جنگ کرو۔ کیونکہ ان کے لئے کوئی بھی ایمان (یعنی قسم) ،کوئی بھی عہد نہیں ہے۔ **لعلهم ينتهون** تا کہ وہ باز آجائیں۔

مولانا مودودی اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک تو باز آنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ مرتد توبہ کرنے کے باوجود بھی قتل کیا جائے گا۔ ان علماء کے نزدیک تو مرتد کی توبہ قبول ہی نہیں ہوتی۔ (الشهاب لرجم الخاطف المرتاب۔ صفحہ ۱۸)۔ تو پھر لڑتے لڑتے کیوں نہ مارے جائیں پاگل؟ ضرور باز آکے انہیں مرنا ہے۔'' **لعلهم ينتهون** '' بتا رہا ہے کہ اس سے قتل مرتد کا استنباط کرنا انتہائی ظلم ہے۔ کاش یہ علماء باز آجائیں اس حرکت سے اور قرآن کریم کی طرف وہ باتیں منسوب نہ کریں جن کا قرآن کریم سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

حقیقی سیاق و سباق

یہ تو تھا سیاق یعنی مضمون کا پس منظر۔ اب اس سے معاً بعد کی آیت پر غور فرمالیں۔ اس سے آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ کون لوگ مراد ہیں۔ کیا مرتد کی سزا، قتل کا معاملہ زیر بحث ہے یا کچھ اور معاملہ؟، کن سے مقاتلہ کرو، کن سے لڑائی کرو۔ فرمایا:

﴿ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (توبہ : ۱۳)

کیسی بات کھول دی! جس طرح دن چڑھ جاتا ہے اس طرح اس مضمون کی وضاحت فرما دی۔ فرمایا جن لوگوں سے ہم تمہیں لڑنے کا حکم دے رہے ہیں۔ اس لئے نہیں دے رہے کہ تم غالب ہو اور مضبوط ہو اور ان کی گردنیں تمہارے ہاتھوں میں آئی ہوئی ہیں، بلکہ وہ اتنے مضبوط اور اتنے قوی ہیں کہ تم فطری طور پر ان سے خوف کھا رہے ہو کہ اگر تم ان سے ٹکراؤ گے تو شاید تم مارے جاؤ، اس کے باوجود ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ ان سے مقابلہ میں کوئی تردد اور پس و پیش نہ کرو کیونکہ خدا تمہارے ساتھ ہے۔ کیوں لڑو؟ ان کے جرم کیا ہیں؟ یہ نہیں فرمایا : ''ارتدوا علی ادبارھم'' وہ اپنی پیٹھوں کے بل پھر گئے اور انہوں نے اسلام سے منہ موڑ کر کفر اختیار کر لیا۔ ہرگز نہیں بلکہ فرمایا ''نکثوا ایمانھم'' انہوں نے اپنی قسمیں توڑی ہیں۔ اور اپنی شرارتوں اور زیادتیوں میں وہ پہل کر گئے ہیں۔ پہلے انہوں نے تمہارے خلاف تلوار اٹھائی ہے۔ پہلے انہوں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔

تقاتلون ہے نہ کہ تقتلون

''الا تقاتلون'' کا صیغہ خود ہی بتا رہا ہے کہ کسی تلوار اٹھانے والے سے مقابلہ کا حکم ہے کیونکہ ''تقاتلون'' مفاعلہ کا صیغہ ہے۔ اگر صرف قتل کرنا مراد ہوتی تو ''الاتقاتلون'' کہنا چاہئے تھا۔ کوئی شخص جسے معمولی سی بھی عربی کا فہم ہو وہ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ قرآن کریم نے ''الا تقتلون'' نہیں فرمایا بلکہ ''الا تقاتلون'' فرمایا۔

اور'' وھم بدئوکم اول مرۃ'' نے اس بات کی خوب وضاحت کر دی کہ وہ لوگ جو پہلے تمہارے خلاف تلوار اٹھا چکے ہیں، باغی ہیں، عہد شکن ہیں، سازشی ہیں۔ محمد مصطفی ﷺ کو مدینے سے نکالنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ چونکہ ان کے عہد کی کوئی بھی حیثیت باقی نہیں رہی اور وہ ان سب جرائم کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ اس لئے ان سے لڑو جو تم سے لڑنے میں پہل کر چکے ہیں۔

یہ ہے مولانا مودودی کی قتل مرتد کی مزعومہ قرآنی دلیل اور یہ بھی شبیر عثمانی صاحب کی دلیل کی طرح ان کی اکلوتی قرآنی دلیل ہے، اس کے سوا ان کو سارے قرآن میں اور کوئی دلیل نہیں ملی۔

علماء کی تیسری دلیل

اب میں وفاقی شرعی عدالت پاکستان میں پیش کی جانے والی ان آیات کا ذکر کرتا ہوں جن سے عدالت کی کارروائی کے دوران علماء نے قتل مرتد کا استنباط کیا۔

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْيُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِى الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾

(المائدہ: ۳۴)

یعنی یقیناً وہ لوگ جنہوں نے تم سے محاربہ کیا ہے (یعنی تمہارے خلاف بزور شمشیر ایسی کارروائیاں کیں جو امن کو تباہ کرنے والی ہیں۔ اس محاربہ کی تعریف میں بعد میں مسلمان علماء کے حوالہ سے پیش کرونگا) اور زمین میں فساد میں بڑی تیزی سے سعی کر رہے ہیں، کوشش کر رہے ہیں کہ زمین کا امن اٹھ جائے، ان کے لئے یہ سزا ہے کہ یا تو وہ قتل کئے جائیں یا وہ سولی چڑھائے جائیں یا ان مخالف سمتوں سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں یا ان کہ دیس نکالا دے دیا جائے۔ یہ ان کے لئے دنیا میں بطور رسوائی کے ہوگا اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم مقدر ہے۔

اس آیت میں کسی ایک لفظ کا ترجمہ بھی ارتداد نہیں کیا جا سکتا۔ اشارۃً یا کنایۃً بھی ارتداد کا مضمون یہاں کہیں بیان نہیں ہوا۔ اور محاربہ کو کھینچ تان کر ارتداد قرار دینا اتنا بڑا ظلم ہے قرآن سے بھی اور عربی زبان سے بھی، کہ تعجب ہے کہ علماء کہلاتے ہوئے یہ ان باتوں کو کس طرح جرأت کرتے ہیں؟!

برصغیر کے ایک عظیم مفسر کی رائے

چنانچہ آج کل کے علماء میں سے ایک مفتی اور عالم کہ جن کا بہت اثر ہندوستان میں ہے اور بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں یعنی مولانا محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

''یہاں پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ اللہ ورسول کے ساتھ محاربہ اور زمین میں فساد کا کیا مطلب ہے؟ اور کون لوگ اس کے مصداق ہیں؟

لفظ ’’محاربہ‘‘ حرب سے ماٴخوذ ہے اوراس کے اصلی معنی سلب کرنے اور چھین لینے کے ہیں، اور محاورات میں یہ لفظ ’’سلمٌ‘‘ کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے جس کے معنی امن اور سلامتی کے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حرب کا مفہوم بدامنی پھیلانا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اکادکا چوری یا قتل وغارت گری سے امن عامہ سلب نہیں ہوتا‘‘۔

نہایت ہی معقول دلیل پیش کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ خطرہ تھا کہ فقہاء اس سے یہ نتیجہ نکالیں گے کہ ہر شخص جو بھی ڈاکہ ڈالے یا ہر شخص جو بھی چوری کرے، اس لئے کہ قرآن ایسی سخت سزائیں تجویز کرتا ہے کہ اگر اس کے جرم میں شدت ہو تو بیشک اسے اذیت ناک سزائیں دو جو عام سزاؤں سے ہٹ کر ہوں۔ تو چونکہ ان کے نزدیک اسلام کا دفاع مقصود تھا، اس لئے وہ یہاں معقول معنے کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

’’بلکہ یہ صورت جبھی ہوتی ہے جبکہ کوئی طاقتور جماعت راہزنی اور قتل وغارت پر کھڑی ہو جائے۔ اس لئے حضرات فقہاء نے‘‘ (یعنی مفتی صاحب اکیلے نہیں بلکہ ان کے ساتھ ایک جماعت فقہاء ہے جس نے) ’’اس سزا کا مستحق صرف اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکے ڈالے اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہے۔ جس کو دوسرے لفظوں میں ڈاکو یا باغی کہا جا سکتا ہے۔ عام انفرادی جرائم کرنے والے چور، گرہ کٹ وغیرہ اس میں داخل نہیں ہیں‘‘۔

’’دوسری بات یہاں یہ قابل غور ہے کہ اس آیت میں محاربہ کو اللہ اور رسول ؐ کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ ڈاکو یا بغاوت کرنے والے جو مقابلہ یا محاربہ کرتے ہیں وہ انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کوئی طاقتور جماعت جب طاقت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کو توڑنا چاہے تو اگرچہ ظاہر میں اس کا مقابلہ عوام اور انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس کی جنگ حکومت کے ساتھ ہے۔ اور اسلامی حکومت میں جب قانون اللہ اور رسول ؐ کا نافذ ہو تو یہ محاربہ بھی اللہ و رسول ہی کے مقابلہ میں کہا جائے گا‘‘۔

(مفتی محمد شفیع (سابق مفتی اعظم پاکستان) تفسیر معارف القرآن کراچی ادارۃ المعارف، جلد سوم۔ سورہ المائدہ صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰)

شرعی عدالت کے جج

پاکستانی وفاقی شرعی عدالت کے جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب اپنی کتاب ’’ضیاء القرآن‘‘ میں اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’مملکت اسلامیہ کے گوشہ گوشہ میں امن قائم کرنے، راستوں کو محفوظ بنانے اور فتنہ وفساد کی جڑ کاٹنے کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم ؐ نے دیا ہے۔ جو اس حکم کی خلاف ورزی کر کے قتل وغارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کرتا ہے وہ گویا اللہ اور اس کے رسول کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے مملکت اسلامی کے کسی باشندے پر خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی، دست درازی کرنے کو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرنے سے تعبیر کیا ہے‘‘۔

پھر فرماتے ہیں:

’’واوٴ‘‘ تفسیر یہ ہے ۔ پہلے جملہ میں جس محاربہ کا ذکر ہے اس کی وضاحت فرما دی۔

محاربین جس کی سزائیں یہاں بیان کی گئی ہیں وہ کون ہیں؟ اسکے متعلق فقہاء کرام نے کہا کہ جن میں یہ تین شرطیں پائی جائیں وہ محارب ہیں۔

۱۔ وہ بندوق، تلوار، نیزہ وغیرہ ہتھیاروں سے مسلح ہو۔

۲۔ آبادی سے باہر راستہ یا صحراء میں وہ رہزنی اور ڈاکے کا ارتکاب کریں۔ لیکن امام شافعی، اوزاعی اور لیث رحمھم اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہر میں ڈاکہ ڈالنے والے بھی محارب کہلائیں گے اور انہی سزاؤں کے مستحق ہونگے۔

۳۔ وہ چھپ کر نہیں بلکہ برملا حملہ آور ہو کر لوٹ مار کریں۔

(پیر کرم شاہ ۔ تفسیر ضیاء القرآن لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۔ جلد اول سورہ المائدہ صفحہ ۴۶۴)

یہ ہے ان کے علماء کی اپنی تشریح جو عین عربی قواعد اور قرآنی محاورہ اور سیاق وسباق کے مطابق ہے۔ اس آیت سے قتل مرتد کا استنباط کرنا بالکل ایک عام آدمی کیلئے بھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عام سوجھ بوجھ لے کر پیدا ہوا ہے، ممکن ہی نہیں ہے۔ جب تک کسی کے دماغ میں خلل نہ واقع ہو جائے اس وقت تک وہ اس آیت میں خلل پیدا کر ہی نہیں سکتا۔

علماء کی چوتھی دلیل

اب چوتھی دلیل سنئے۔ یہ بھی شرعی عدالت کی ایک مرغوب دلیل ہے، اس شرعی عدالت کی جس کے خلاف اس کے ایک جج اپنی کتاب میں پہلے وہ بات لکھ چکے ہیں جو میں آپ کو سنا چکا ہوں۔ یہ دلیل درج ذیل ہے۔

﴿ یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّمِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ ۙ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ۫ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْ مَۃَ لَآ ئِمٍ ؕ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ واسِعٌ عَلِیْمٌ ○﴾

(المائدہ:۵۵)

یہ وہی آیت ہے جس کی میں نے اس تقریر کے آغاز میں تلاوت کی تھی اس سے بھی قتل مرتد کا استنباط کرنا کلیۃً بعید از عقل ہے، اوراس کی کوئی دور کی بھی یہاں گنجائش موجود نہیں۔انہوں نے جو استدلال کیا ہے اس کی بنیاد انہوں نے آیت کے درج ذیل تین ٹکڑوں پر رکھی ہے۔

(۱) ’’سَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ‘‘۔

(۲) ’’ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ‘‘۔

(۳) ’’ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْ مَۃَ لَآ ئِمٍ ‘‘۔

وہ کہتے ہیں کہ صاف ظاہر ہے کہ جو کوئی مرتد ہو جائے گا اس سے لڑنے کے لئے اللہ ایک قوم لے آئے گا،جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ قوم اللہ سے محبت کرے گی۔ وہ ان مرتدین سے جہاد کریں گے اوران کو تلوار سے قتل کر دیں گے۔کیونکہ وہ مومنوں کے لئے تو بہت ہی نرم ہونگے اور کافروں کے لئے بہت ہی سخت ہونگے۔

گویا ان کے نزدیک ’’فسوف یاتی اللہ بقوم‘‘ میں ایک بعد میں آنے والی قوم کا ذکر ہے۔

اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو کیا نعوذ باللہ من ذالک آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے ان غلاموں میں جن میں اس ارتداد کی خبر دی جارہی ہے،کوئی اللہ سے محبت کرنے والا ایسا نہیں تھا جس سے اللہ بھی محبت کرتا تھا؟ کوئی ایسا نہیں تھا جو دین کے لئے ایسی غیرت رکھتا ہو اور خدا کے لئے ایسی اطاعت کا جذبہ اپنے اندر پاتا ہو کہ ان مرتد ہونے والوں سے لڑائی کی ہمت کر سکے؟ کیسی ظالمانہ دلیل دی جارہی ہے اور نہایت شدید حملہ کیا جارہا ہے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اور آپؐ کے غلاموں کے ایمان پر! گویا اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اگر تم میں سے اے محمد(ﷺ) اور تمہارے غلاموں میں سے جن کی تربیت تو نے اپنے ہاتھ سے کی ہے،جن کا تزکیہ تو نے کیا ہے،کوئی مرتد ہو جائے گا تو تم نے کچھ نہیں کرنا،فکر نہ کرنا،ہم ایسی قوم لے آئیں گے جو خدا سے محبت کرنے والی ہوگی اور خدا ان سے محبت کرے گا۔ان کی یہ صفات ہونگی کہ وہ مومنوں کے لئے تو بڑے نرم دل ہونگے اور کافروں کے لئے سخت ہونگے۔ اس لئے وہ ان سے لڑائی کر کے انہیں قتل وغارت کریں گے۔

’’یجاھدون فی سبیل اللہ‘‘ کا یہ ترجمہ بھی کرلیا گیا؟ حالانکہ جہاد کے تو بڑے وسیع معانی ہیں۔’’جاھد ھم بہ جھاداً کبیراً‘‘ بھی تو قرآن میں آیا ہے جو قرآن ہی سے متعلق ہے۔اور جہاد بالسیف کا یہاں اشارۃً بھی کوئی ذکر نہیں۔

اگر اس استدلال کو منظور کرلیا جائے تو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یہ شدید گستاخی ہے آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کی کہ ان میں کوئی لڑنے والا،دین کی غیرت رکھنے والا نہیں تھا،اس لئے اللہ نے کہا کہ میں بعد میں بھیج دونگا۔وہ آپ ہی ان سے نپٹتے رہیں گے۔تمہیں پرواہ کی کوئی ضرورت نہیں۔’’ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ واللہ واسع علیم‘‘ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے،جس کو چاہے دیتا ہے، اس سیاق وسباق میں تو یہ مطلب بنے گا کہ تمہیں تو یہ فضل نہیں ملا،تم فکر نہ کرو اور لوگوں کو مل جائے گا یعنی دشمنوں سے لڑنے کی توفیق۔

وہ بھول گئے کہ یہی ’’عـزیـز‘‘ کا لفظ بڑی شان کے ساتھ قرآن کریم اس سے پہلے آنحضرت ﷺ کے متعلق استعمال فرما چکا ہے۔اور ’’اذلـۃ‘‘ سے بڑھ کر مومنوں سے محبت کا لفظ بھی خود آنحضرت ﷺ کے متعلق استعمال فرما چکا ہے۔قرآن کریم فرماتا ہے:

﴿ لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ ﴾۔(سورہ التوبہ :۱۲۸)

کہ تم جو تکلیف اٹھاتے ہو وہ اس رسول پر بہت شاق گزرتی ہے جن کی طرف سے تکلیف پہنچتی ہے ان کے خلاف اس کے دل میں شدید جذبات پیدا ہوتے ہیں۔کوئی تکلیف میں ڈالتا تھا تو تکلیف میں پڑتے تھے۔ان کے مقابل پر فرمایا’’عزیز علیہ‘‘۔

پھر فرمایا ’’بـالمؤمنین رء وف رحیم ‘‘اذلۃ کا لفظ اس کے مقابل پر تو کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔فرمایا:مومنوں کے لئے یہ رؤف ہے اور رحیم ہے۔یہ خدا تعالیٰ کی دو صفات ہیں جو آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک میں اس شان سے جلوہ گر ہوئی ہیں کہ آپؐ کو قرآن کریم رؤف رحیم قرار دے رہا ہے۔اس ’’ عـزیـز علیہ ما عنتم‘‘ اوراس ’’ر ء وف رحیـــم‘‘ کے ہوتے ہوئے کیوں اللہ تعالیٰ نے قتل مرتد کا حکم نہیں دیا؟ کیوں یہ وعدہ فرما کے ٹال دیا کہ کوئی بات نہیں،میں آئندہ ایک قوم بھیج دونگا، جو تمہارے لئے یہ کام کر دے گی؟

جہاں تک میں نے تلاش کیا ہے مجھے ان چار دلائل کے سوا جنہیں مزعومہ طور پر قرآن کریم کی نصوص صریحہ کے طور پر قتل مرتد کے عقیدہ کے حق میں پیش کیا جاتا ہے اور کوئی آیت علماء کی طرف سے پیش کردہ نہیں ملی۔ اگر کسی کے علم میں ہو تو مجھے بھجوائے۔ ان شاء اللہ اس کا جواب دیا جائے گا۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۸؍اگست ۱۹۹۷ء تا ۱۴؍اگست ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۴

مرتدین کے بارہ میں قرآن کا مؤقف

اب اس کے مقابل پر میں وہ آیات قرآنیہ پیش کرتا ہوں جن میں ارتداد کا واضح ذکر موجود ہے مگر ارتداد کی سزا قتل کا قطعاً کوئی ذکر موجود نہیں، بلکہ اس کے برعکس کھلا کھلا مضمون ہے اور اس مضمون پر اتنی واضح آیات ہیں کہ ان کے بعد نظریہ قتل مرتد کی کوئی گنجائش باقی ہی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَکٰذِبُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ کَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰی يُؤْفَکُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ ۝ (المنٰفقون:۲ تا ۶)

ترجمہ:- کہ اے محمد! جب منافق تیرے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً تو اللہ کا رسول ہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے، کیونکہ اسی نے تجھے بھیجا ہے۔ اس سے بہتر کون تجھے جان سکتا ہے؟ اس کے باوجود اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔ بات بظاہر سچی کر رہے ہیں لیکن بول جھوٹ رہے ہیں۔ کیونکہ ان کے دل میں وہ بات نہیں جس کا وہ مونہہ سے اقرار کر رہے ہیں۔

یہ پہلا واقعہ اس مضمون پر ہمارے علم میں آیا ہے جس میں اگرچہ انسانوں کو دسترس نہیں تھی مگر خدا نے جو دلوں کے راز سے واقف ہے خود گواہی دی کہ بعض لوگ مونہہ سے اقرار کرنے والے ہیں لیکن ہم گواہی دے رہے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں اور وہ مرتد ہو چکے ہیں۔ ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں رہا۔

پھر فرمایا: انہوں نے اپنے عہدوں یا اپنے ایمان کو (دونوں معنی ہو سکتے ہیں) اپنے لئے جنّہ (ڈھال) بنالیا ہے، اور پھر اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روک رہے ہیں۔ بہت ہی برا کرتے ہیں جو یہ کرتے ہیں۔ اس لئے برا کرتے ہیں اور اس لئے یہ گندے سے گندے ہوتے چلے جا رہے ہیں کہ وہ ایک دفعہ ایمان لائے تھے، پھر اس کے بعد انہوں نے انکار کر دیا، یعنی کھلے کھلے مرتد ہو چکے ہیں۔ اب اللہ نے ان کے دلوں پر مہر بھی لگا دی ہے۔ اب کبھی ایمان لا ہی نہیں سکتے۔ ایسے پکے مرتد ہو چکے ہیں کہ ان کے دلوں کے لئے توبہ کے سارے دروازے بند ہو چکے ہیں اور ان کو ابھی تک سمجھ نہیں آ رہی کہ ہمارے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔

رسول اللہ اور صحابہ مرتدین کو جانتے تھے

وہ لوگ کون تھے؟ کیا آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے غلاموں کو ان کی معین طور پر خبر تھی کہ نہیں؟ اگر خبر تھی تو اس قطعی اور پکی گواہی کے باوجود کہ نہ صرف وہ مرتد ہو چکے ہیں بلکہ توبہ کا بھی کوئی امکان نہیں رہا؟ ان کو قتل کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا گیا؟ یا ان میں سے کسی ایک کو بھی آنحضرت ﷺ نے قتل کیوں نہ کروایا؟ ان کی تعیین و تشخیص کے متعلق قرآن ساتھ ہی آگے فرماتا ہے کہ وہ معین لوگ ہیں، جن کا تمہیں علم ہے، اور اس علم کے باوجود:

''جب تم ان کو بلاتے ہو کہ توبہ کریں تو اللہ کا رسول بھی ان کے لئے بخشش طلب کرے گا''۔ (یہ نہیں کہا کہ توبہ کرتے ہی اللہ کا رسول ان کو قتل کر دے گا، کیونکہ خدا نے مرتد کی سزا یہی رکھی ہے کہ توبہ کے باوجود قتل ہوگا۔ نہیں، بلکہ فرمایا: باز آجاؤ۔ استغفار کرو۔ توبہ کرو۔ اگر توبہ کرو گے تو خدا کا رسول بھی تمہارے لئے بخشش طلب کرے گا۔ اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے؟) ''تو وہ تحقیر اور طعن و تشنیع کے طور پر سر مٹکاتے ہیں اور تو دیکھے گا کہ وہ رکتے ہیں اور دوسروں کو بھی خدا کی راہ سے روکتے ہیں۔ مسلسل ایسا کرتے چلے جا رہے ہیں اور وہ بڑے سخت تکبر کرنے والے لوگ ہیں''۔

اب بتایئے کہ ان آیات کے بعد کہ جن میں خدا تعالیٰ نے جو دلوں کا راز جاننے والا ہے، کسی کے کفر کی گواہی دی اور ان کے متعلق اتنا آگاہ فرما دیا کہ حضور اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ ان کو پہچاننے لگے اور ان کو معین طور پر توبہ کی دعوت دینے لگے، اس کے باوجود بھی انہوں نے خدا کے رستہ سے روکا اور تکبر کیا اور اپنے جرم پر اصرار کیا، اس کے باوجود خدا تعالیٰ ان کے قتل کا حکم نہیں دیتا اور آنحضرت ﷺ ان میں سے کسی ایک کو بھی قتل نہیں کرواتے!

رسولِ خدا کا رئیس المرتدین سے حسن سلوک

بلکہ ایک عجیب واقعہ قرآن کریم ملتا ہے کہ رئیس المنافقین جس کا نام لے کر خدا تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو بتا چکا تھا کہ یہ منافق ہے اور آپ ؐ کے دل کی رحمت پر نظر کرتے ہوئے جانتا تھا کہ آپ ؐ اس کی بخشش کے لئے کوشش کریں گے، آپ کو حکماً روکا کہ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی ﴿وَ لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ......﴾ (التوبہ: ۸۴)۔قتل کرنے کا نہیں فرمایا بلکہ مرنے کی صورت میں۔ وہ منافق زندہ چلتا پھرتا ہے، آنحضرت ﷺ کے متعلق مسلسل گستاخیاں کرتا چلا جاتا ہے، اتنی شدید گستاخی کہ قرآن فرماتا ہے کہ اس نے ایک موقعہ پر کہا کہ: ''لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ......'' (المنافقون:۹) کہ جب ہم مدینے لوٹیں گے تو سب سے معزز انسان (نعوذ باللہ من ذٰلک) سب سے ذلیل انسان کو (یعنی اس کی نظر میں جو تھا) مدینے سے نکال دے گا۔

یہاں خدا نے آنحضرت ﷺ کا نام نہیں لیا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ صحابہؓ اس آیت کو الٹا بھی سکتے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک صحابی نے اس واقعہ کا ذکر کیا تو کہا: ''یا رسول اللہ! وہ سچ ہی تو کہتا ہے کہ دنیا کا سب سے معزز انسان یعنی آپؐ، دنیا کے سب سے ذلیل انسان یعنی اس منافقین کے سردار کو مدینہ سے نکال دے گا''۔

اس واضح اشارہ کے باوجود بھی آنحضرت ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا۔ جواباً بھی اس کو نکالنے کا حکم نہیں دیا۔ وہ زندہ رہا، دندناتا پھرتا رہا۔ لوگوں کو مرتد کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اپنی ایک پارٹی بنائی۔ عین جنگ کے دوران دھوکہ دے کر وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے رہے، ہر قسم کی ظالمانہ کارروائیاں کیں۔ ہر قسم کی گستاخیاں کیں۔ اس کے باوجود آنحضرت ﷺ کا اس کے ساتھ یہ سلوک تھا کہ خدا نے اس دل پر نظر رکھ کر متنبہ فرمایا کہ اے محمد! (ﷺ) تو نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی۔ تو نے اس کے لئے استغفار نہیں کرنا۔ اگر تو اس کے لئے ستر بار بھی استغفار کرے گا تو تب بھی میں اس کو نہیں بخشوں گا۔ (سورۃ التوبہ: ۸۰ تا ۸۵)

نبی رحمتؐ کا پاس کرو

اس سے بڑا، اس سے واضح، اس سے زیادہ یقینی مرتد لا کے تو دکھاؤ۔ اور اس سے زیادہ عظیم الشان سلوک تو دکھاؤ جو کسی نے کسی مرتد کے ساتھ کیا ہو۔ اب تم ان دعووں کی جرأت کرتے ہو اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے عظیم الشان کردار کو قرآن کے بیان کے منافی اور مخالف داغدار کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ شرم سے تمہیں موت کیوں نہیں آجاتی کہ دنیا کے سب سے زیادہ رحیم و کریم آقا کے خلاف ایسے گندے الزامات لگاتے ہو اور ساری دنیا میں اس کو اور اس کے دین کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہو!!

دوسری آیت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ O

(آل عمران: ۷۳)

کتب تفسیر بیان کرتی ہیں کہ یہ آیت، نجران کے عیسائیوں کے وفد کی رسول اللہ کے پاس مدینہ میں آمد کے بعد نازل ہوئی۔ اور وفد نجران کی آمد کا یہ واقعہ رسول اللہ کی زندگی کے آخری سالوں کا ہے جب اسلامی سلطنت قائم ہو چکی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس واقعہ کے وقت تک نظریہ قتل مرتد کا کوئی وجود نہ تھا، ورنہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اہل کتاب اپنے بھائیوں کو یہ مشورہ دیتے کہ صبح کے وقت قرآن پر ایمان لے آئیں اور شام کو مرتد ہو جائیں۔ (سیرۃ ابن ھشام، وفد نصاری نجران)۔ اور وہ بھی اس وقت جبکہ اسلامی حکومت خوب مستحکم ہو چکی تھی اور اہل کتاب مغلوب اور محکوم ہو گئے تھے۔ ایسی صورتحال میں یہ کیسے ممکن تھا کہ یہ لوگ اپنے ساتھیوں کو ایسا مشورہ دیتے حالانکہ انہیں علم تھا کہ ارتداد کی سزا، قتل ہے؟ اگر قتل مرتد کے قائل لوگوں کا مؤقف درست مانا جائے تو ایسی صورت میں ایسا مشورہ دینے والوں کو ان کے ساتھی جواب دیتے: تمہارے دماغ خراب ہیں کہ ایسا مشورہ دیتے ہو؟ کیا تمہیں علم نہیں کہ اگر ہم صبح ایمان لا کر شام کو ارتداد اختیار کر جائیں تو محمدؐ اور اس کے ساتھ فوراً ہماری گردن اڑا دیں گے؟

مگر قرآن نے ان کو ایسا کوئی جواب ذکر نہیں کیا جس سے ثابت ہوا کہ ان کے صبح کے وقت ایمان لا کر شام کو مرتد ہونے میں ان کے لئے کوئی خطرہ نہ تھا۔

تیسری آیت

پھر فرماتا ہے:

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

O اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ اَنَّ عَلَیْھِمْ لَعْنَةَ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ O خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ج لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلَاھُمْ یُنْظَرُوْنَ O اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَ اَصْلَحُوْا قف فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ O (آل عمران:۸۷ تا ۹۰)

یہاں قتل مرتد کے مضمون کو مکمل طور پر بیان فرما دیا- فرمایا: کس طرح اللہ ہدایت دے ایسی قوم کو جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا؟ (یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کس طرح خدا زندہ رہنے کی اجازت دے؟ کس طرح انہیں چلتا پھرتا باقی چھوڑے؟ صرف ہدایت کا مضمون چھیڑا ہے- پھر فرمایا) اور انہوں نے انکار کیا بعد اس کے کہ انہوں نے گواہی دی کہ یہ رسول سچا ہے- اور زبانی اقرار ہی نہیں کیا تھا بلکہ کھلے کھلے نشانات دیکھنے کے بعد انکار کیا- اللہ ظالموں کو تو ہدایت نہیں دیا کرتا (لیکن یہ علماء تلوار کے زور سے ہدایت دے دیتے ہیں)- ان کی جزا یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اور اس کے فرشتے اور سارے کے سارے انسان ان پر لعنت ڈالتے ہیں (یہ نہیں فرمایا کہ ایسے لوگوں کو قتل کرتے ہیں) وہ اسی ذلیل حالت میں رہیں گے- نہ ان کا عذاب کم کیا جائے گا اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے- ہاں وہ لوگ جو خود توبہ کر لیں (ارتداد بھی خود کیا تھا- توبہ بھی خود کریں گے﴿ واللہ لا یھدی القوم الظالمین﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زبردستی ہدایت نہیں دیتا- چاہے تو دے دے لیکن نہ وہ خود زبردستی ہدایت دیتا ہے نہ تمہیں اجازت دیتا ہے کہ تم کسی اور کو زبردستی ہدایت دو- ہاں ان کو اختیار ہے کہ جس طرح انہوں نے ارتداد کیا تھا وہ چاہیں تو توبہ کریں) اور پھر اصلاح کر لیں تو وہ اللہ کو ظالم اور منتقم نہیں پائیں گے- اللہ کو تو بہت ہی زیادہ بخشش کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے''-

چوتھی آیت

فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُھُمْ ج وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الضَّآلُّوْنَ O اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِافْتَدٰی بِہٖ ط اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ O (آل عمران:۹۱ تا ۹۲)

''یقیناً وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے- پھر وہ کفر میں ترقی کرتے چلے گئے- (اگر وہ فوراً قتل کر دیئے گئے تھے تو انہوں نے کفر میں ترقی کیسے کر لی تھی؟) ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی- یہ بہت بڑے گمراہ لوگ ہیں''-

ٹیڑھا استدلال

میں نے سنا ہے کہ بعض علماء نے آیت {لن تقبل توبتھم} سے بھی قتل مرتد کا استنباط کیا ہے کہ دیکھو ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور وہ قتل کئے جائیں گے- مگر اگلی آیات اس کا کلیةً رد فرما رہی ہے- فرمایا:

﴿ان الذین کفروا و ماتوا و ھم کفار﴾ کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور پھر کفر پر ہی مر گئے (یہ نہیں فرمایا: قتلوا و ھم کفار...... کہ پھر وہ قتل کر دیئے گئے اس حالت میں کہ وہ کافر تھے، بلکہ فرمایا: پھر وہ طبعی موت مر گئے اور وہ کفار ہی تھے- فرمایا)﴿لن یقبل من احدھم مل ء الارض و لوافتدی بہ﴾ اس محاورہ نے اس مضمون کو کھول دیا ہے، کیونکہ یہاں اس دنیا میں بندوں کا ان سے توبہ قبول کرنے کا بھی کوئی ذکر نہیں اور ایسے لوگ چونکہ کفر کی حالت میں جان دے رہے ہیں اس لئے قیامت کے روز بھی کوئی سودا بازی نہیں ہو سکتی، اور اس دن زمین کے برابر سونا یا دیگر اشیاء بھی ان سے قبول نہیں کی جائیں گی- اور ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں-''

پانچویں آیت

فرمایا:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَرُدُّوْکُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴾ (آل عمران:۱۵۰)

کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم ان لوگوں کی پیروی کرو گے جنہوں نے کفر کیا تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل پھیرا دیں گے یعنی تمہیں تمہارے دین سے ہٹا کر پھر کفر میں، پھر تم گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے-

یہاں یہ نہیں فرمایا ''فتنقلبوا مقتولین'' کہ اگر تم نے ارتداد اختیار کیا تو تم قتل کر دیئے جاؤ گے- اگر ارتداد کی سزا قتل تھی تو یہاں اس کا ذکر ہونا چاہئے تھا-

چھٹی آیت

فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا O بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا O (النساء:۱۳۸ تا ۱۳۹)

کہ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور پھر کافر ہو گئے، پھر ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے، پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، اللہ کی سنت کے خلاف ہے کہ ایسے لوگوں کی مغفرت فرمائے اور ایسے لوگوں کو ہدایت دے۔ پس ایسے منافقین کو تم عذاب علیم کی خوشخبری دے دو۔

یہاں بھی ان لوگوں کے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرنے اور پھر ایمان لانے اور پھر کفر کرنے اور پھر کفر میں بڑھ جانے کا ذکر ہے، مگر ایسے لوگوں کے مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونے کا کوئی ذکر نہیں بلکہ صرف اتنا فرمایا کہ اے نبی، خدا کے ہاں ملنے والے عذاب الیم کی خوشخبری ان کو دے دو۔

ساتویں آیت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ ۙ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ۡ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ O

(سورۃ المائدہ:۵۵)

دیکھیں، یہ آیت بھی مرتد کی سزا، قتل نہیں مقرر کرتی بلکہ صرف اتنا کہتی ہے کہ ایسے مرتدین کی جگہ اللہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے خدا محبت کرے گا اور وہ بھی خدا سے محبت کرنے والے ہوں گے۔

آٹھویں آیت

فرمایا:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِیْہِ کَبِیْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَکُفْرٌۢ بِہٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَھْلِہٖ مِنْہُ اَکْبَرُ عِنْدَاللّٰہِ ۚ وَ الْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۚ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ O (سورۃ البقرہ:۲۱۸)

یہ آیت بھی صرف یہی ذکر کرتی ہے کہ مرتدین کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت جائیں گے اور قیامت کے دن انہیں آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ مگر اس آیت میں **قطعاً** کوئی ذکر نہیں کہ لوگوں کے ہاتھوں مرتدین کو دنیا میں بھی عذاب ملے گا۔

اس موضوع پر اور بھی آیات ہیں جن میں ارتداد کا ذکر ہے، اور کسی آیت میں بھی نہ صرف یہ کہ قتل کا کوئی ذکر نہیں ملتا بلکہ قتل کے بالکل منافی مضمون واضح نظر آتا ہے۔

نظریہ قتل مرتد احادیث کی روشنی میں

اب میں حدیثوں کی طرف آتا ہوں۔ جب علماء کو قرآن کریم میں سے اپنی مرضی کا کوئی مضمون نظر نہ آئے تو پھر وہ حدیثوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہ بات اس لحاظ سے ضرور جائز ہے کہ اگر قرآن میں کوئی مضمون ہمیں نظر نہ آئے (قرآن میں تو ضرور ہوگا) تو اس بارہ میں حدیث سے مدد لینی چاہئے۔ فی ذاتہ اس بات پر مجھے کوئی اعتراض نہیں، مگر جنہوں نے قرآن کے خلاف وہ زیادتیاں کیں جن کا میں ذکر کر چکا ہوں وہ حدیث سے کب باز آنے والے ہیں۔ جنہوں نے اللہ کے کلام کا احترام نہیں کیا اور زبردستی اس کی طرف مضمون منسوب کئے، ان لوگوں سے یہی توقع ہے کہ وہ یہی حرکت حدیث کے ساتھ بھی کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کر رہے ہیں۔

قائلین قتل مرتد کی اخذ کردہ احادیث

پہلی روایت

ایک حدیث عبداللہ بن ابی سرح کے بارہ میں پیش کی گئی ہے کہ کسی زمانے میں وہ رسول اللہ ﷺ کا کاتب وحی تھا، مگر شیطان نے اس کو پھسلا دیا- جب فتح مکہ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے- مگر بعد میں حضرت عثمانؓ نے اس کے لئے پناہ مانگی اور رسول اللہؐ نے پناہ دے دی- (مودودی، ارتداد کی سزا اسلامی قانون میں صفحہ ۱۵)

یہ ہے حدیث قتل مرتد کے جواز میں اور ٹیڑھی باتوں کے علاوہ دلیل دینے والوں نے یہ زیادتی اور ظلم کیا ہے کہ اس کا پس منظر آپ سے چھپالیا ہے، اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ جونہی اس نے ارتداد کیا، اسی وقت آنحضرت ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا، اور پھر انتظار کرتے رہے کہ کب وہ قابو آئے تو اسے قتل کر دیا جائے- ہرگز ایسا کوئی واقعہ نہیں-

واقعہ یہ ہے کہ یہ شخص ان حد سے بڑھے ہوئے مجرموں میں سے ایک تھا جن کو نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد عام معافی سے مستثنیٰ قرار دیا تھا اور جس طرح عام معافی سے مستثنیٰ قرار دینے کے باوجود ان میں سے بہتوں کو آپؐ نے رحمت کے ساتھ معاف فرما دیا تھا، اس کو بھی آپؐ کی بڑھی ہوئی رحمت نے معاف فرمایا دیا-

واقعہ یہ ہوا کہ عبداللہ بن ابی سرح نہ صرف یہ کہ مرتد ہوا تھا بلکہ شرارت میں بہت بڑھ چکا تھا اور اسلام کے خلاف محاربت میں شامل تھا- جب فتح مکہ ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے اس کو ان لوگوں میں شامل کر دیا جن کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ ان کو معاف نہیں کیا جائے گا- یہ شخص حضرت عثمانؓ سے پناہ کا ملتجی ہوا اور انہوں نے اسے پناہ دلا دی- چنانچہ لکھا ہے:

(۱) ”عن ابن عباسٍ قال: کان عبدالله ابن سعدٍ بن ابی سرح یکتب لرسول الله ﷺ فازلّه الشیطان، فلحق بالکفار، فأمر به رسول الله ان یقتل یوم الفتح فاستجار له عثمان بن عفّان فأجاره رسول الله“ (سنن ابی داؤد- کتاب الحدود- باب حکم فمن ارتد)

کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، رسول اللہ ﷺ کا کاتب وحی ہوا کرتا تھا مگر شیطان نے اسے پھسلا دیا اور وہ کفار سے جا ملا- فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے اس کو قتل کئے جانے کا حکم دیا- حضرت عثمانؓ نے آپؐ سے اس کی معافی کی درخواست کی جسے آپؐ نے منظور فرماتے ہوئے اسے معاف کر دیا-

(۲) اسی طرح سنن النسائی میں ہے:

”عن مصعب بن سعدٍ عن ابیه: لما کان یوم الفتح امّن رسول الله ﷺ الناس الا اربع نفرٍ وامرأتین، وقال: اقتلوهم وان وجدتموهم متعلّقین باستار الکعبةؓ عکرمة بن ابی جهل وعبدالله بن خطلٍ ومقیس بن صبابة وعبدالله بن سعد بن ابی السرح ......“ (سنن النسائی- کتاب تحریم الدم- باب الحکم فی المرتد)

کہ فتح مکہ کے روز نبی اکرم ﷺ نے چار مردوں اور دو عورتوں کے سوا سب کو عام معافی دے دی اور فرمایا کہ ان کو قتل کر دو خواہ ان کو کعبہ کے پردوں سے چمٹ کر پناہ مانگتے پاؤ- ان کے نام تھے: عکرمہؓ بن ابوجہل- عبداللہ بن خطل- مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن ابی سرح-

(۳) نیز مروی ہے:

”عن عبدالله بن سعد بن ابی سرح الذی کان علی مصر کان یکتب لرسول الله ﷺ، فازلّه الشیطان- فلحق بالکفار- فامر به أن یقتل یوم الفتح فاستجار له عثمان بن عفان، فاجاره رسول الله ﷺ“ (المرجع السابق، باب توبة المرتد)

یعنی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جو (بعد میں) مصر کا گورنر بنا، رسول کریم ﷺ کے لئے وحی لکھا کرتا تھا اسے شیطان نے پھسلا دیا اور وہ کفار کے ساتھ جا ملا اس پر رسول اللہ نے فتح مکہ کے روز حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے مگر حضرت عثمانؓ نے اسے پناہ دینے کی سفارش کی تو رسول اللہ نے ان کی درخواست قبول فرما کر اسے پناہ دے دی-

یہ ہے اصل واقعہ- مگر ان علماء کے استدلال کی رو سے تو یہ صورتحال بنتی ہے کہ گویا حضرت عثمانؓ کو فتح مکہ تک اس مسئلے کا علم ہی نہیں تھا کہ مرتد کی سزا قرآن کریم نے قتل قرار دی ہے- ایسے شخص کو تو پناہ دینا ہی جرم ہے اور قرآن کریم کے شدید منافی یعنی استنباط کرنے والے اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ پر وہ کیسا گھناؤنا الزام لگا رہے ہیں- اس کو پہلے تو خود پناہ دی اور پھر اتنی جرأت کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے اسے پیش کیا اور درخواست کی کہ اس کی بیعت لے لیں- آنحضرت ﷺ نے بھی جواباً یہ نہیں فرمایا کہ عثمان! یہ تم کیا حرکت کر رہے ہو؟ تمہیں علم نہیں کہ خدا کی حدود کے بارہ میں میں کیسی غیرت رکھتا ہوں؟ تمہیں یاد نہیں کہ جب ایک چوری کرنے والی کی سفارش مجھ سے کی

گئی تھی تو میں نے خدا کی قسم کھا کر یہ کہا تھا کہ بخدا! اگر میری بیٹی فاطمہؓ نے بھی یہ حرکت کی ہوتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا؟ (بخاری- کتاب الحدود- باب اقامۃ الحدود علی الشریف والوضع) - کیونکہ حدود اللہ میں کسی قسم کی رعایت جائز نہیں-تمہاری یہ جرأت کہ میرے سامنے اس کی سفارش کررہے ہو! ان سب باتوں کے باوجود ایک دفعہ بھی حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ جب عثمانؓ نے معافی کی درخواست کی تو آپؐ نے مونہہ پھیر لیا- دوسری دفعہ پھر درخواست کی، پھر خاموش رہے- تیسری دفعہ پھر درخواست کی، پھر خاموش رہے اور چوتھی بار جب درخواست ہوئی تو ہاتھ بڑھایا اور رحمت للعالمین نے اس کی بیعت قبول فرمائی (سنن النسائی، کتاب تحریم الدم، باب الحکم فی المرتد)

ایک واقعہ

اس واقعہ کے ساتھ ایک چھوٹا سا واقعہ اور ہوا ہے، اسے بھی یہ علماء اپنے استنباط کی تائید میں پیش کرتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے بیعت قبول فرمالی تو پھر صحابہ سے شکوہ کیا کہ کیا تمہیں علم نہیں تھا کہ میں نے اس شخص کو ان لوگوں کی فہرست میں داخل کر دیا تھا جن کو میں نے معاف نہیں کیا؟ کیوں، کس بات نے تمہیں روکا کہ اٹھتے اور اسے قتل کر دیتے؟ دو تین بار ایسا ہوا؟ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپؐ آنکھ سے اشارہ فرما دیتے- آپؐ نے فرمایا: یہ رسول کی شان کے خلاف ہے کہ وہ آنکھوں کی خیانت کا مرتکب ہو- جو بات کرتا ہے صاف کرتا ہے اور کھلی کرتا ہے یعنی اگر میں نے اس کو مروانا ہوتا تو میں تمہیں کہتا کہ ماردو- میں ہرگز یہ بات نہیں کررہا-

افسوس کہ بعض علماء اس سیدھی بات سے ایک ٹیڑھا استدلال کرنے کی کوشش کررہے ہیں- ”خائنۃ اعین“ کا مرتکب نہ ہونے کا تو صاف یہ مطلب ہے کہ اس قسم کی حرکتیں میری اخلاقی عظمت کے خلاف ہیں- اگر میں چاہتا کہ اسے مروادوں تو میں تمہیں صاف کہہ دیتا کہ اٹھو اور اس کو ماردو- میں تو یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا بات تھی جو تمہیں روک رہی تھی کہ میرے ایک فیصلہ کا علم ہونے کے باوجود تم نے اس کے قتل سے اپنے ہاتھ روک لئے-

سوال یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کا واضح حکم ہوتا کہ مرتد کی سزا قتل ہے تو کیا آنحضرت ﷺ حدود میں رعایت کرنے والے تھے؟ ہرگز نہیں- ایک لمحہ کے لئے بھی آپؐ کے متعلق یہ سوچا نہیں جاسکتا کہ قرآن کی عائد کردہ حدود سے ادنیٰ سا بھی تجاوز فرماتے-

دوسری روایت

مولانا مودودی صاحب نے اپنی کتاب میں ایک اور حدیث کا بھی ذکر کیا ہے جس سے وہ قتل مرتد کا استنباط کرتے ہیں- وہ کہتے ہیں کہ

”ایک عورت ام رومان (یا ام مروان) نامی مرتد ہوگئی تو نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے سامنے پھر اسلام پیش کیا جائے- پھر وہ توبہ کرلے تو بہتر ورنہ قتل کر دی جائے-“ (دارقطنی- بیھقی)

بیہقی کی دوسری روایت اس سلسلے میں یہ ہے کہ ”فابت أن تسلم فقتلت اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا، اس بنا پر قتل کر دی گئی“- (ارتداد کی سزا اسلامی قانون میں صفحہ ۱۷)

مگر نیل الاوطار میں امام محمد بن علی الشوکانی اس روایت کے بارہ میں فرماتے ہیں:

”قال الحافظ: اسنادا ھما ضعیفان“- (محمد بن علی الشوکانی-نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار من احادیث سید الاخیار- مصر- شرکۃ مصطفی البابی الحلبی- احکام الردۃ والاسلام- باب قتل المرتد، جزء ھفتم صفحہ ۲۱۷)

یعنی ان دونوں حدیثوں کی سند ضعیف ہے-

اسی طرح علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے بھی اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے- چنانچہ لکھا ہے:

”اسنادا ھما ضعیفان“ (التعلیق المغنی علی الدار قطنی- القاھرہ (مصر)، دارالمھاسن للطباعۃ، ۱۹۶۶ء جزء ثالث، جلد دوم، کتاب الحدود والدیات- حدیث ۱۲۲-صفحہ ۱۱۹)

یعنی قابل اعتبار نہیں-

جب قرآن سے کچھ نہیں ملا- جب صحیح قابل اعتماد حدیثوں سے کچھ نہیں ملا تو قتل کرنے کا ایسا جوش ہے کہ ایک حدیث جس کے متعلق اکثر جید علماء کہہ رہے ہیں کہ یہ ضعیف ہے اور قابل اعتبار نہیں ہے، اس کا سہارا ڈھونڈ کر قتل ضرور کرنا چاہتے ہیں-

تیسری روایت

ایک اور حدیث مودودی صاحب نے پیش کی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو یمن کا حاکم مقرر کرکے بھیجا- پھر اس کے بعد معاذ

بن جبلؓ کو ان کے معاون کی حیثیت سے روانہ کیا۔ جب معاذ وہاں پہنچے تو انہوں نے اعلان کیا کہ لوگو! میں تمہاری طرف اللہ کے رسول کا فرستادہ ہوں۔ ابو موسیٰ نے ان کے لئے تکیہ رکھا تا کہ اس سے ٹیک لگا کر بیٹھیں۔ اتنے میں ایک شخص پیش ہوا جو پہلے یہودی تھا، پھر مسلمان ہوا، پھر یہودی ہو گیا تھا۔ معاذ نے کہا: میں ہرگز نہ بیٹھوں گا جب تک یہ شخص قتل نہ کر دیا جائے۔ اللہ اور اس کے رسول کا یہی فیصلہ ہے۔ معاذ نے یہ بات تین دفعہ کہی۔ آخر کار جب وہ قتل کر دیا گیا تو معاذ بیٹھ گئے۔'' (ارتداد کی سزا، اسلامی قانون میں۔ صفحہ ۱۴)

یہاں ایک طرف معاذ کہہ رہے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کا یہی فیصلہ ہے، مگر یہ فیصلہ کب ہوا تھا، کیا الفاظ تھے اس کے، اس کا معاذ کوئی ذکر نہیں کرتے؟ دوسری طرف اللہ کے کسی ایسے فیصلے کا کوئی ذکر قرآن کریم میں موجود نہیں اور نہ ہی رسول ﷺ کا کوئی فیصلہ کسی حدیث میں مذکور ہے کہ محض ارتداد کے نتیجہ میں کسی کو قتل کر دیا جائے۔ اس لئے معاذ کے اس قول سے یہ استنباط کرنا زیادہ قرین قیاس ہے کہ یہ ان کا اپنا استدلال تھا۔ اس کی حیثیت ان کی ذاتی رائے کی ہے کہ قرآن و حدیث سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔

پھر اس واقعہ کے ساتھ کوئی تفصیل بیان نہیں ہوئی کہ یہودی کیوں لایا گیا؟ اس نے کیا حرکت کی تھی؟ ہر بات مبہم ہے اور امکانات و احتمالات موجود ہیں۔ اس بات کا امکان موجود ہے کہ وہ کسی اور شرارت میں پکڑا گیا ہو اور اس بناء پر وہاں لایا گیا ہو۔ ہو سکتا ہے اس نے اسلام کے خلاف محاربت کی ہو۔ چونکہ یہ سارے واقعات مبہم ہیں اس لئے اس مبہم حدیث پر جس میں ایک صحابی کا صرف استنباط ہے، بناء کرتے ہوئے اتنے اہم مسئلہ میں قرآن کی واضح آیات کے منافی فیصلہ کرنا ظلم ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جہاں نص صریح قرآن کریم کی موجود ہو، اس کے خلاف بظاہر مستند حدیث بھی مل جائے تو تقویٰ کا تقاضا ہے کہ اس ظاہری طور پر مستند حدیث کو رد کر دیا جائے جو کھلم کھلا قرآن کریم کی نص صریح سے ٹکراتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

اس حدیث کی صرف یہی حیثیت نہیں بلکہ دوسری حدیثیں واضح طور پر اس مضمون کی نفی کرتی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ جیسا کہ میں نے ایک اور حدیث آپ کے سامنے پیش کی ہے۔ پھر یہ بھی ذکر نہیں کہ اس واقعہ کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو کی گئی یا نہیں۔ اگر کی گئی تو آنحضرت کا اس پر کیا ردعمل تھا؟

سو قرآن کریم کی آیات، سنت نبوی، تاریخ اسلام اور آنحضرت ﷺ کا ایک مرتد کی موت تک مسلسل عمل کہ اس کے قتل کا حکم نہیں دیتے، یہ سب کچھ ثابت کرتا ہے کہ اتنے واضح دلائل کے مقابل پر اس قسم کے کمزور استدلال کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے، اور اتنے بڑے اہم عقیدہ کی اس پر بنیاد نہیں ڈالی جا سکتی۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۱۵ ؍اگست ۱۹۹۷ء تا ۲۱ ؍اگست ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۵

عہد صدیقی اور ارتداد

اب خلافت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کرتا ہوں۔ اکثر کتابیں جو ارتداد کی سزا قتل کے حق میں آپ پڑھیں گے، ان میں آپ دیکھیں گے کہ علماء سرسری طور پر قرآن اور حدیث کی بحث کر کے بڑی تیزی کے ساتھ دورِ ابوبکرؓ میں داخل ہوتے ہیں اور اپنے عقائد کو سہارا دینے کے لئے وہاں پناہ ڈھونڈتے ہیں اور کہتے ہیں یہ سنت صدیقی ہے۔ سنت محمدیؐ ان کو بھول جاتی ہے اور سنت صدیقی کی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔

مزعومہ ''سنت صدیقی'' کی حقیقت

حالانکہ ''سنت صدیقی'' بھی وہ سنت نہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف وہ منسوب کرتے ہیں بلکہ تاریخ واضح طور پر اس بات کو جھٹلا رہی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی کسی کو محض ارتداد کے جرم میں قتل کرایا ہو یا کبھی کسی کو اس کے مسلمان کہلانے کے باوجود، کلمہ پڑھنے کے باوجود، مسلمانوں کے قبلہ کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھنے کے باوجود، زکوٰۃ کا قائل ہونے کے باوجود اور زکوٰۃ ادا کرنے کے باوجود، مرتد قرار دے کر قتل کرایا ہو۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے مرتدین میں سے صرف ان لوگوں کے خلاف لڑائی کی جنہوں نے ارتداد کے ساتھ ساتھ اسلامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور آپ کے گورنروں اور عمّال کو ان کے علاقوں سے بھگا دیا اور مسلمانوں کو شدید تکالیف پہنچائیں اور انہیں بری طرح قتل کیا۔ آپؓ نے ان بدبختوں کے خلاف اس لئے جنگ کی کہ ان ظالموں نے ہی جنگ اور ظلم کی ابتداء کی تھی اور بے گناہ مسلمانوں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا تھا۔

مرتدین کی بغاوت کے تاریخی شواہد

چنانچہ کتب سیرت و تاریخ اس فتنہ ارتداد اور بغاوت کی تفاصیل یوں بیان کرتی ہیں:

۱۔ باغیوں نے مسلمانوں کو شدید ترین سزائیں دیں جو ان کے ہاتھ سے بچ کر نکل سکے وہ مدینہ منورہ چلے گئے۔ باغیوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خلافت اسلامیہ کے مرکز (مدینہ

منورہ) پرحملہ کرنے کے لئے تیاریاں مکمل کرلیں۔

اتفاقاً حضرت عمرو بن العاص انہی دنوں بحرین سے واپس آرہے تھے تو انہوں نے باغیوں کو یمن کی طرف سے آتے ہوئے مدینہ کے قریب لنگرانداز پایا۔ ان کی تعداد ریت کے ذروں کی طرح کثیر تھی۔اس کے بالمقابل مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔اس سے بڑھ کر یہ وہ سب بے سروسامان تھے۔

ایک اور کتاب میں یہ ذکر اس طرح درج ہے:

۲۔ جونہی آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا جزیرہ عرب کے طول وعرض میں اللہ کے دین کے خلاف بغاوت کے نشان ابھرنے لگے-صرف مکہ، مدینہ اور طائف کے باشندے ثابت قدم رہے-بغاوت اور ارتداد کا یہ فتنہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلا اور چند روز ہی میں عرب کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ گیا-مرتدوں اور باغیوں نے اسلامی عمال کو نکال دیا-سچے مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کرنا شروع کردیا جو بچ سکے بھاگ کر مدینہ میں پناہ گزین ہوئے-کچھ طالع آزماؤں نے آنحضرت ﷺ کی کامیابی کو دیکھ کر خانہ ساز نبوت کا ڈھونگ رچایا-مختلف قبائل میں کئی جھوٹے نبی پیدا ہوگئے جن میں ایک مشہور شخص طلیحہ بن خویلد تھا- اس کا اصلی نام طلحہ تھا-مسلمان اس کو تحقیراً طُلیحہ کہتے تھے-یہ بنو اسد کے قبیلے سے تھا جو قریش کا دیرینہ حریف تھا-طلیحہ نے رسول اکرم ﷺ کی زندگی ہی میں نبوت کا روپ دھار لیا تھا''-

یہ فقرہ توجہ کے لائق ہے- کہتے ہیں: دیکھو جھوٹے نبیوں کے خلاف حضرت ابوبکرؓ نے کیسی چڑھائی کی! مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ دیکھو جھوٹے نبیوں کے خلاف آنحضرت ﷺ نے کیسی چڑھائی کی؟ طلیحہ نے دعویٰ کیا ہے حضور اکرمؐ کی زندگی میں اور دعاوی کرنے والوں کے علاوہ اور اس سے کوئی باز پرس نہیں کی جاتی-کسی بھی دعویدار نبوت کے خلاف فوج کشی نہیں کی جاتی! یعنی جس دین کا (نعوذ باللہ من ذٰلک) اس کو علم نہیں تھا جس پر دین نازل ہو رہا تھا اس کی تشریح آج کے علماء کو معلوم ہوئی اور انہوں نے ساتھ یہ بھی بتایا کہ یہ تشریح ہمارے علاوہ حضرت ابوبکرؓ کو بھی معلوم ہوگئی تھی، گو رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم نہیں تھا-

ظلم پر ظلم کرتے چلے جارہے ہیں- ذرا بھی خدا کا خوف نہیں کھاتے کہ اسلام پر کیسے گندے حملے کررہے ہیں، اور آنحضرت ﷺ کی ذات پر بھی حملہ کرنے سے نہیں چوکتے-

''لیکن اس وقت اس کا فریب نہ چلا-حضورؐ کی وفات کے بعد سارا قبیلہ اس کے دام میں آگیا-اس نے نماز سے سجدہ موقوف کردیا، اس سے تکلیف ہوتی ہے-زکوٰۃ بھی معاف کردی-اس لئے منکرین زکوٰۃ اس کے حلقہ بگوش ہوگئے-طلیحہ نے ایک بہت بڑا لشکر مرتب کرکے مدینہ بھیجا'' (لشکر بھی بھیجا ہے، جب تک لشکر نہیں بھیجا تھا اس وقت تک حضرت ابوبکرؓ کو خیال بھی نہیں آیا کہ جھوٹے نبی کی سزا یہ ہے کہ اس کے خلاف قتال کرو-) ''حضرت صدیقؓ لشکر کے مقابلہ کے لئے آئے-حملہ آور بھاگ نکلے''-(غلام احمد حریری-اسلامی دستور حیات لاہور-محمود ریاض پرنٹرز- ناشر ضیاء الحق قریشی-۱۹۸۶ء-صفحہ ۳۳۵-۳۳۶)

۳- تاریخ ابن خلدون میں مذکور حالات کا خلاصہ یوں ہے: قریش اور ثقیف قبیلہ کے علاوہ جملہ اہل عرب کے ارتداد کی خبریں مدینہ پہنچیں-مسیلمہ کی بغاوت کا مسئلہ نازک صورتحال اختیار کرگیا-اسی طرح طئی اور اَسد قبیلوں کے لوگ طلیحہ کے گرد جمع ہوگئے-غطفان قبیلہ بھی مرتد ہوگیا-ھوازن قبیلہ کے لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا-یمن اور یمامہ سے نبی اکرم ﷺ کے مقرر کردہ والیان اور عمال کو باغیوں نے نکال دیا-حضرت ابوبکرؓ نے (حضور ﷺ کی وفات کے بعد) سفراء اور خط وکتابت کے ذریعہ بات چیت کرکے ان باغیوں کو سمجھانے کی کوشش کی اور اسامہ کی زیرنگرانی باہر گئے ہوئے لشکر کی واپسی کا انتظار کیا مگر باغیوں نے مدینہ پر حملہ کے لئے مدینہ کی طرف پیش قدمی شروع کردی-مدینہ کے قریب پہنچ کر الابرق اور ذی القصہ مقام پر پڑاؤ ڈالا اور حضرت ابوبکرؓ کو پیغام بھیجا کہ ہمیں نماز بے شک پڑھوائیں مگر زکوٰۃ ادا کرنا معاف کردیں مگر حضرت ابوبکرؓ نے اس مطالبہ کو ماننے سے انکار فرمادیا اور آپؓ نے مدینہ کے مختلف کناروں پر حضرت علیؓ، زبیرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کو پہرہ کیلئے مقرر فرمایا-اہل مدینہ مسجد میں اکٹھے ہونے لگے-باغیوں کے وفد نے واپس جاکر اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ مدینہ میں موجود مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے-اس پر باغیوں نے مدینہ کی اطراف پر حملہ کردیا جس پر حضرت ابوبکرؓ مسجد میں اکٹھے ہونے والے مسلمانوں کو لے کر دشمن کے مقابلہ کے لئے اونٹوں پر نکلے-دشمن بھاگ نکلا مگر دوڑتے دوڑتے بھی اس نے مختلف ترکیبوں سے مسلمانوں کے اونٹوں کو بدکا دیا جس پر اونٹ واپس مدینہ کی طرف بے قابو ہوکر بھاگے-مسلمانوں کا کوئی جانی نقصان تو نہ ہوا مگر دشمن نے مسلمانوں کو کمزور سمجھا اور اپنے باقی باغی ساتھیوں کو پیغام بھیجا کہ مسلمان کمزور ہیں، آؤ حملہ کریں-اس پر ابوبکرؓ مسلمانوں کو لے کر فجر ہوتے ہی دشمنوں کے سر پر پہنچ گئے اور ان سے جنگ کی-سورج نکلنے سے قبل ہی دشمن پسپا ہوگیا-

واپس جاکر بنو ذبیان اور عبس قبائل نے اپنے علاقہ کے نہتے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کردیا جس پر ابوبکرؓ نے قسم کھائی کہ وہ ایک ایک مسلمان کا بدلہ لے کر رہیں گے-'' (عبدالرحمان ابن خلدون-تاریخ ابن خلدون-بیروت-دار الکتاب اللبنانی-۱۹۸۱-جلد دوم-صفحہ ۸۵۷ تا ۸۵۹)

۴- تاریخ طبری میں مذکورہ حالات کا خلاصہ یہ ہے: ’’حضورؐ کی بیماری کی خبر ہوتے ہی یہ اطلاع بھی پہنچی کہ مسیلمہ نے یمامہ پر اور اسود عنسی نے یمن پر قبضہ کرلیا ہے- طلیحہ نے بھی جلد ہی نبوت کا دعویٰ کر کے بغاوت کا علم بلند کیا اور فوج لے کر سمیراء مقام پر مسلمانوں سے لڑائی کے لئے نکلا اس کے پیچھے بہت سے عوام ہوگئے اور اس کا معاملہ خطرناک صورت اختیار کر گیا- ادھر بنو ربیعہ نے بھی بحرین کے علاقہ میں بغاوت اور ارتداد کا اعلان کیا اور کہا کہ ہم بادشاہت کو دوبارہ آل منذر میں واپس لائیں گے، اور انہوں نے منذر بن نعمان بن منذر کو اپنا بادشاہ بنایا- رسول اللہ ﷺ کے گورنرز کی طرف سے جلد ہی یہ رپورٹس آئیں کہ ہر علاقہ میں خاص و عام نے بغاوت کردی ہے اور باغی، مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھا رہے ہیں-

حضرت ابوبکرؓ نے بھی باغیوں کے ساتھ شروع میں بالکل اسی طرح بات چیت جاری رکھی جس طرح رسول اللہ ﷺ سفراء کے ذریعہ باغیوں سے مذاکرات فرماتے تھے مگر عبس اور ذوبیان قبائل نے مدینہ پر لشکر کشی کردی اور اپنے ہاں کے نہتے مسلمانوں کو بری طرح قتل کرنا شروع کردیا- دوسرے قبائل نے بھی ایسا ہی کیا- اس پر حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھائی کہ وہ ایک ایک مسلمان کے بدلہ ایک ایک باغی کو ماریں گے بلکہ زیادہ کو ماریں گے- پھر آپ نے ایسا ہی کیا- آپ نے خالدؓ بن ولید کو پیغام بھیجا کہ تم ہر اس باغی کو جس نے کسی مسلمان کو قتل کیا، پکڑتے ہی عبرتناک طور پر قتل کردو-‘‘

مرتدین کی چھاؤنیاں

’’رسول اللہ ﷺ نے وفات سے قبل حضرت عمرو بن العاصؓ کو جیفر (عمان) کی طرف بھجوایا تھا- وہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد واپس لوٹے تو باغیوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے مسلمان ان کے گرد جمع ہوگئے- انہوں نے بتایا کہ دبا سے لے کر مدینہ تک کے سارے راستہ میں مرتدین چھاؤنیاں ڈالے پڑے ہیں‘‘-

اسود عنسی کے حالات

’’ارتداد و بغاوت کی ابتداء نبی اکرم ﷺ ہی کے زمانہ میں اسود عنسی نے یمن کے علاقہ میں کی- مذحج قبیلہ اس کے ساتھ مل گیا اور اس کی بغاوت کا فتنہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلنے لگا- اس کے ساتھ مل جانے والے باغیوں کی فوج میں پیادوں کے علاوہ سات سو گھڑسوار تھے- اس نے اسلامی حکومت کے عمال کو دھمکی دی کہ: اے غاصبو! ہمارا ملک ہمارے حوالے کردو- جو مال تم نے جمع کئے ہیں وہ بے شک لے لو مگر ہماری سرزمین سے نکل جاؤ- پھر انہوں نے دو مسلمان عمال کو نکال کر ان کی جگہ عمرو بن حرم اور خالد بن سعید کو حاکم مقرر کردیا- بعد ازاں اسود اپنی فوج لے کر صنعاء پر حملہ آور ہوا اور رسول اکرم ﷺ کے مقرر کردہ عامل شہر بن باذان کو قتل کر کے صنعاء پر قابض ہوگیا، اور دوسرے مسلمانوں کو قتل کیا- حضرت معاذؓ بن جبل نے بھاگ کر جان بچائی، اور مأرب پہنچ کر حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کو صورتحال سے باخبر کیا- یہ دونوں حضرموت کی طرف آگئے اور یوں سارا ملکِ یمن، اسود کے قبضہ میں آ گیا- اس کی حکومت وہاں قائم ہوگئی اور اس کی طاقت بڑھتی گئی- آخرکار یمامہ میں ایک معرکہ میں مسلمانوں نے اسے واصلِ جہنم کیا‘‘-

طلیحہ بن خویلد کے حالات

طلیحہ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور باغیوں کو ساتھ لے کر سمیراء مقام پر مورچہ بند ہوا- اس کے پیچھے اتنے لوگ آئے کہ ان کے لئے جگہ کم ہوگئی- انہوں نے دو ٹولیوں میں بٹ کر اپنے وفد مدینہ بھیجے- حضرت ابوبکرؓ نے طلیحہ کے مطالبات ماننے سے انکار کردیا- اس وفد نے جا کر اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے چلو ان پر حملہ کریں-

حضرت ابوبکرؓ نے ان سے مذاکرات کے بعد مدینہ کی اطراف میں پہرہ کے لئے چھوٹے چھوٹے دستے مقرر فرما دیئے، اور مسلمانوں سے کہا کہ سارے ملک میں ارتداد اور بغاوت کی وباء پھیلی ہوئی ہے، اور مرتدین کے وفد نے ہماری تھوڑی تعداد کا اندازہ کرلیا ہے- اب کوئی پتہ نہیں کہ وہ رات ہی تم پر حملہ کردیتے ہیں یا دن چڑھنے کا انتظار کرتے ہیں اس لئے پورے طور پر تیار کرو-

ابھی تین دن ہی گزرے تھے کہ باغیوں کے لشکر نے رات کے وقت مدینہ پر ہلہ بول دیا- حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں کو لے کر مقابلہ پر نکلے اور دشمن کو پسپا کردیا-

مسیلمہ کذاب کے حالات

’’اس کے ساتھ قبیلہ بنوحنیفہ کی اکثریت مل گئی- اس نے یمامہ پر قبضہ کر کے وہاں سے رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ گورنر حضرت ثمامہؓ بن اثال کو نکال دیا- اس نے بڑی قوت پکڑ لی- سجاح نامی مدعیہ نبوت اس سے لڑنے کے لئے نکلی- یہ اس سے ڈر گیا اور اس کے ساتھ مصالحت کر کے ان الفاظ میں اسے مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اکسانے لگا-

اگر قریش (مسلمان) عدل سے کام لیتے تو نصف ملک خود رکھتے اور نصف ہمارے حوالے کرتے، مگر انہوں نے ہمارے ساتھ ظلم کیا ہے- کیا تم میرے ساتھ شادی کرو

گی تاہم دونوں مل کر اپنے قبیلوں کو لے کر سارے عرب قبائل کو نگل جائیں۔

چنانچہ وہ سجاح سے شادی کر کے مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلا۔اس کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار تھی۔حضرت خالدؓ بن ولید نے اس کا مقابلہ کیا اور اسے شکست دی''۔(محمد بن جریر الطبری۔تاریخ الطبری۔مصر۔دار المعارف۔۱۹۶۲ء۔جزء ثالث۔حالات ۱۱ھ۔صفحہ ۱۸۵ تا ۲۸۱)

(۵) اسی طرح تاریخ الخمیس میں بھی مذکور ہے:

مسیلمہ کذاب کے ساتھ بنو حنیفہ کی اکثریت ہوگئی۔وہ یمامہ پر قابض ہوگیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کے گورنر ثمامہؓ کو نکال باہر کیا۔انہوں نے رسول اللہ کی خدمت میں پیغام بھجوایا۔جب رسولؐ اللہ فوت ہوگئے تو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع کی جس پر آپؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ مسیلمہ کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا۔(حسین بن محمد الدیار بکری۔تاریخ الخمیس۔بیروت۔مؤسسہ شیعان۔جزء ثانی۔حالات سن ۱۱ ہجری صفحہ ۱۶۰)۔

پس صحابہؓ نے مسیلمہ کذاب اور اس کے قبیلہ بنو حنیفہ کے خلاف محض ارتداد کی بناء پر جنگ نہیں کی بلکہ بغاوت کے جرم کی وجہ سے جنگ کی تھی کیونکہ مسیلمہ باغی تھا اور مسلمانوں کے خلاف اس نے لشکر کشی کی تھی۔

(۶) پھر علامہ عینیؒ شارح صحیح البخاری لکھتے ہیں:

''انّما قاتل ابو بکر رضی اللہ عنہ ما نعی الزکاۃ، لانّھم امتنعوا بالسّیف، و نصبوا الحرب للامّۃ''۔(علامہ محمود بن احمد العینی۔عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری۔مصر۔طبع اول۔شرکۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی۔۱۹۷۲۔جزء ۱۹۔کتاب: استقابتہ المرتدین و المعاندین و قتالھم۔باب:قتل من ابی قبول الفرائض و ما نسبوا الی الردۃ۔

یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں سے صرف اس لئے قتال کیا کہ انہوں نے تلوار کے ذریعہ سے زکوٰۃ روکی اور مسلمانوں کے خلاف جنگ برپا کی۔

عجیب بات

علاوہ ازیں تاریخ الطبری اور تاریخ ابن خلدون میں یہ بھی مذکور ہے کہ:

''کہ جنگ کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو باغیوں پر فتح حاصل ہوگئی تو ان میں سے بعض کو قید بھی کیا گیا۔غلام بھی بنایا گیا''۔ (تاریخ الطبری۔جزء ثالث۔سن ۱۱ ہجری کے حالات۔صفحہ ۲۵۹ تا ۲۶۳؛ تاریخ ابن خلدون۔جلد دوم۔صفحہ ۸۶۴ تا ۸۶۵)

اگر مرتد کی سزا قتل تھی اور یہی وجہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی لشکر کشی کی تھی اور اگر اسلام توبہ کے باوجود بھی مرتد کے لئے قتل کے سوا اور کوئی سزا تجویز نہیں کرتا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس وقت یہ بات کیوں بھول گئی؟ کیا حق تھا ان کو کہ شریعت اسلامیہ کے اس واضح حکم کی خلاف ورزی کرتے کہ جن کے بارہ میں خدا کہتا ہے کہ لازماً تم نے ان کو قتل کرنا ہے اور تین دن سے زیادہ مہلت نہیں دینی، انہیں اس جرم میں پکڑنے کے باوجود، قابو میں کر لینے کے باوجود، قتل نہیں کیا بلکہ غلام بنالیا!!!

ایک مرتدہ کا قتل

مولانا مودودی نے ام قرفہ نامی مرتدہ کا ذکر بھی کیا ہے اور کہا ہے کہ:

''حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ایک عورت جس کا نام ام قرفہ تھا، اسلام لانے کے بعد کافر ہوگئی۔حضرت ابوبکر نے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا مگر اس نے توبہ نہ کی۔حضرت ابوبکر نے اسے قتل کرا دیا۔دار قطنی۔بیہقی''۔(ارتداد کی سزا اسلامی قانون میں۔صفحہ ۱۸)

اور تاثر یہ دیا ہے کہ محض ارتداد کی وجہ سے اسے قتل کیا گیا تھا حالانکہ جو واقعہ بیان ہوا ہے اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ محض ارتداد کی بناء پر اسے قتل کیا گیا ہو۔مگر وہ اسی بات پر مصر ہیں کہ ام قرفہ بھی اسی سلسلہ نسب کی ایک کڑی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ:

''ام قرفۃ کان لھا ثلاثون ابناً، و کانت تحرّضھم علی قتال المسلمین، و فی قتلھا کسر شوکتھم''۔(شمس الدین السرخسی۔المبسوط۔طبع دوم۔بیروت۔دار المعرفۃ للطباعۃ و النشر۔جزء دھم۔صفحہ ۱۱۰)

اس عورت کے قتل کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ اس کے تیس بیٹے تھے اور وہ ان تیس بیٹوں کو ہر وقت مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تحریک کرتی رہتی تھی، ابھارتی رہتی تھی۔چنانچہ اس کے بیٹوں کی شوکت کو توڑنے کے لئے ان کی ماں کو قتل کروایا گیا کہ اگر یہ ماں اپنے بیٹوں کو اکساتی ہے اور اگر ان میں اتنی ہی طاقت ہے تو ہم ان کی ماں کو اس

جرم میں قتل کرتے ہیں، ان میں طاقت ہے تو روک کے دیکھ لیں اور اپنی ماں کو بچالیں......اور ان تیس کو قتل نہیں کروایا جو جنگ کا ذریعہ بنائے گئے تھے- یہ اس لئے کہ تا اگر ایک کے قتل سے شرک سکتا ہے تو ایک ہی قتل ہو-

یہ تھی شان صدیقی اور یہ تھی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی تربیت، جس سے کتنے بد اور کتنے غلط نتائج نکالے جا رہے ہیں-

عہد فاروقی کی روایت

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے حالات پر آجائیں- مولانا مودودی نے اس دور کی جو حدیث پیش کی ہے، وہ یہ ہے:

''عمروؓ بن عاص حاکم مصر نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ ایک شخص اسلام لایا تھا، پھر کافر ہو گیا- پھر اسلام لایا، پھر کافر ہو گیا- یہ فعل وہ کئی مرتبہ کر چکا ہے- اب اس کا اسلام قبول کیا جائے یا نہیں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ اس سے اسلام قبول کرتا ہے تم بھی کئے جاؤ- اس کے سامنے اسلام پیش کرو- مان لے تو چھوڑ دو، ورنہ گردن مار دو- **کنز العمال**''- (ارتداد کی سزا اسلامی قانون میں صفحہ ۱۸)-

یہ جو آخری ٹکڑا ہے ''گردن مار دو' والا، اس سے استنباط کر رہے ہیں کہ دیکھو! مرتد کی سزا قتل تھی اس لئے آپ نے یہ فرمایا تھا-

اگر مرتد کی سزا قتل کا حکم تھا تو حضرت عمرؓ جیسے شدت رکھنے والے خلیفہ کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ جواب دیتے جو آپ نے دیا- سختی سے آپ سرزنش فرماتے کہ تم کون ہوتے ہو اس ارتداد کے بعد اسے دوبارہ موقعہ دینے والے کہ دوبارہ اسلام قبول کرے- اور ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، بارہا ایسا کر چکا ہے اور پھر بھی تم باز نہیں آئے- پھر بھی تم نے اسے قتل نہیں کیا؟......فرمایا جتنی بار اللہ نے اسے اجازت دی ہے، دیتے چلے جاؤ- یعنی جتنی دفعہ بھی وہ تمہارے قابو میں آئے اور کہہ دے کہ میں اسلام لے آیا ہوں، تم پر فرض ہو جائے گا کہ اسے چھوڑ دو- پھر اس پر تمہیں ہرگز کوئی اختیار نہیں رہتا-

یہاں عمر رضی اللہ عنہ کا ایک استنباط ہے اور یہ استنباط بھی ان علماء کو دوسرے مسلمانوں کی جانوں پر کوئی حق عطا نہیں کرتا- وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ وہ جب کہہ دے: میں مسلمان ہو گیا، باوجود اس پس منظر کے کہ وہ ہر دفعہ مرتد ہو جاتا ہے، جتنی بار بھی کہے تم اس کو چھوڑتے چلے جاؤ- اس کا فیصلہ اسی پر رکھا ہے- اس کے اس قول کو، ان سب باتوں کے باوجود، قابل اعتماد قرار دیا ہے- اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت عمر نے ان کو یہ کہا تھا کہ چونکہ اس کا جھوٹ ثابت ہو گیا ہے، چونکہ اس کی بدعہدی ثابت ہو گئی ہے، اس لئے اب کی بار چاہے وہ کہے بھی کہ میں مسلمان ہوتا ہوں، تب بھی تم نے اس کی بات نہیں ماننی-

اس لئے اس حدیث سے قتل مرتد کا جواز اور یہ جواب کہ توبہ کرے بھی تو اس کو معاف نہیں کرنا، اور جب بھی کوئی ارتداد کرے اسی وقت اسے قتل کر دو، کہاں سے نکل آیا؟

صحتِ روایات جانچنے کا پیمانہ

دوسرے وہ اصول اپنی جگہ قائم ہے، ہرگز اس پر کوئی اثر نہیں پڑا کہ جو حدیثیں یا آثار (اور یہ حدیث آثار میں سے ہے- کیونکہ حضرت عمر کا اپنا ایک استنباط ہے)- اگر حضرت عمر کا استنباط ہو یا تمام صحابہ کا بھی (نعوذ باللہ من ذلک) جو آنحضرت ﷺ کی سنت مستمرہ کے خلاف ہو اور قرآن کی واضح آیات کے خلاف ہو تو وہ قابل التفات نہیں- ایسی صورت میں ہم ہرگز یہ نہیں کہیں گے کہ یہ انکا استنباط تھا، ہم یہ کہیں گے کہ جھوٹ بولتا ہے جو یہ بات حضرت عمر یا دیگر صحابہ کی طرف منسوب کرتا ہے- ظالم ہے وہ شخص، کیونکہ ناممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پروردہ یہ بزرگ آنحضرت ﷺ کی سنت کو نظر انداز کر چکے ہوں- اس لئے ایسی حدیثیں پایہ اعتبار سے گر جاتی ہیں- یہ مطلب نہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کی بات نہیں مانتے- مراد یہ ہے کہ چونکہ واضح طور پر یہ حدیث یا اثر قرآن وسنت سے ٹکرا رہا ہے، اس لئے راوی غلط ہے- کسی کو یا غلط فہمی ہوئی ہے یا کسی نے جھوٹ بولا ہے-

مرتد لڑائی کرنے والا تھا

دوسری بات یہ ہے کہ اس شخص کے متعلق یہ وضاحت ملتی ہے کہ وہ حالت جنگ میں پکڑا گیا تھا اور یہاں ایک اور استدلال ہے؛ وہ شخص جو حالت جنگ میں پکڑا جائے اور حاکم وقت یا فاتح جرنیل نے یہ فیصلہ کیا ہو کہ ہم اسے قتل کریں گے کیونکہ اس نے ہم سے جنگ کی ہے اور ہمارے ساتھیوں کو قتل کیا ہے (حاکم وقت یا فاتح جرنیل کو یہ قانونی حق حاصل ہے! معاف کرنے کا بھی یا قتل کر دینے کا)- اب اگر وہ گرفتار شدہ شخص جان بچانے کے لئے اسلام قبول کر لے، تو پھر جس وقت بھی وہ اسلام سے پھرتا ہے وہ اپنے آپ کو گویا قتل کے لئے پیش کر دیتا ہے- کیونکہ صاف پتہ چلے گا کہ قتل کا فیصلہ جو جائز تھا، اس کی تلوار بہر حال لٹکی رہے گی- دھوکہ دے کر جائز فیصلے سے بچنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی- یہ ایک اور مضمون ہے اس کا ارتداد کے ساتھ بالکل کوئی تعلق ہی نہیں ہے-

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۲۲ / اگست ۱۹۹۷ء تا ۲۸ / اگست ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ٦

عهد علی کی روایت

اب ہم حضرت علیؓ کے دور میں داخل ہوجاتے ہیں۔ ہاں وہاں بھی ایک بڑی خطرناک قسم کی نظرآنے والی حدیث (یا اثر کہنا چاہئے جس کے ساتھ ایک حدیث بھی منسلک ہے) پیش کی جاتی ہے۔ اوراس حدیث کی سند بظاہر بڑی مضبوط ہے لیکن اس کے متعلق میں آگے جا کر بحث کروں گا۔حدیث یہ ہے:

”عن عکرمة قال: أتی علی رضی الله عنه بزنادقة. فأحرقهم. فبلغ ذالک ابن عباس فقال لو کنت انا لم أحرقهم، لنهی رسول الله ﷺ: لا تعذبوا بعذاب الله و لقتلتهم لقول رسول الله ﷺ ”من بدل دینه فاقتلواه“

(صحیح البخاری کتاب: استتابه المرتدین و المعاندین و قتالهم باب: حکم المرتد و المرتدة)

کہ عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت علی کے پاس زندیق لوگ لائے گئے۔ان زندیقوں کو حضرت علیؓ نے زندہ آگ میں جلا دینے کا حکم دیا۔جب حضرت ابن عباسؓ نے سنا تو یہ ردعمل ظاہر کیا کہ کہا اگر میں ہوتا تو ہرگز ایسا نہ کرتا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے واضح طور پر ہمیں اس عذاب کے دینے سے منع فرمایا ہے جو عذاب اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کیا ہے، یعنی آگ کا عذاب۔ میں انہیں قتل کر دیتا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو اپنے دین کو بدل دے اسے قتل کر دو۔

روایت کی چھان بین

یہ بظاہر سب سے مضبوط استدلال رکھنے والی حدیث ہے جو صحاح ستہ میں سے بخاری، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں آئی ہے۔

اس حد تک اس کی صحت ہے مگر کسی روایت کی صحت کا اندازہ صرف اس کے صحاح ستہ میں مذکور ہونے سے نہیں لگایا جاتا بلکہ بعض اور پیمانے بھی ہیں اس کی صحت جانچنے کے۔ان میں ایک اہم معیار یہ ہے کہ راویوں کی شخصیت اوران کے تسلسل کے بارہ میں گہری چھان بین کی جائے۔

بڑے بڑے علماء کرام جنہوں نے روایات کی صحت کے بارہ میں تحقیقات کے لئے اپنی زندگیاں صرف کردیں۔نے عکرمہ کی اس روایت کے بارہ میں فیصلہ دیا ہے کہ یہ روایت ”غریب“اور”آحاد“ روایات میں آتی ہے یعنی اس کا راوی صرف ایک عکرمہ ہی ہے ۔

اور مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ چونکہ امام بخاری نے عکرمہ سے روایت کی ہے اس لئے دوسرے محدثین نے بھی اس کی ہر روایت قبول کر لی بغیر اس کے کہ وہ خود اس بارہ میں تحقیق کرتے۔(الرفع والتکمیل۔طبع قدیم لکھنو)

یہ تو ممکن ہے کہ ایک ہی راوی سے مروی روایت صحیح اور معتبر حدیث ہو مگر وہ روایت ایسی حدیث صحیح کے پائے کو نہیں پہنچ سکتی جو کئی راویوں سے پہنچتی ہو۔اس لئے ایسی آحاد روایات پر ایسے امور کے بارہ میں بناء نہیں کی جاسکتی جو حقوق و ذمہ داریوں اور واجبات اور سزاؤں سے تعلق رکھتے ہوں۔خصوصاً حدود کے مسائل کے بارہ میں یعنی سزائیں جن کو خود قرآن نے مقرر کیا ہے۔لہذا ایسے نازک اور حساس مسئلہ کے بارہ میں ایسی حدیث آحاد پر بناء نہیں کی جاسکتی خواہ وہ بعض علماء کے نزدیک صحیح ہی کیوں نہ ہو۔

راوی خارجی هے

پھر ہمیں راوی عکرمہ اور اس کی شہرت کے بارہ میں مزید چھان بین کرنا ضروری ہے۔جب اس روایت کو اس معیار سے پرکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کا راوی عکرمہ خارجی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دشمن تھا۔چنانچہ رجال حدیث کی بڑی اور اہم کتاب میں اس کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ ایسا کمینہ اور خبیث شخص تھا کہ مسلمانوں نے اس کا جنازہ تک نہیں پڑھا۔اسی وجہ سے ایسے علماء حدیث جن کو روایات کی صحت جانچنے کے بارہ میں ید طولیٰ حاصل تھا، یہ فیصلہ دیا ہے کہ اس روایت کی کوئی قیمت نہیں کیونکہ اس کا راوی زندیق اور خارجی تھا اور حضرت علیؓ کے دشمنوں کا حامی تھا خصوصاً ان ایام میں جب حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے درمیان اختلافات شروع ہوئے۔

عباسی دور میں عکرمہ نے ایک نیک اور خدا ترس عالم کے طور پر بڑی شہرت اور تعظیم حاصل کر لی تھی اور یہ بات واضح ہے کہ اس شہرت کا باعث اس کا حضرت علیؓ کی مخالفت اور عباسیوں کی حمایت تھا جو سیاست کی وجہ سے ہر اس شخص اور چیز کی مخالفت کرتے تھے جس کا تعلق اولاد علیؓ سے ہو۔عمومی طور پر دیکھا گیا ہے کہ قتل مرتد کی روایات نے دراصل بصرہ، کوفہ اور یمن میں رونما ہونے والے واقعات سے جنم لیا ہے کیونکہ اہل حجاز یعنی مکہ اور مدینہ والے اس روایت سے بالکل لاعلم نظر آتے ہیں۔

پھر اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ عکرمہ کی اس روایت کے راوی عراقی ہیں۔اور اس ضمن میں قارئین کو امام طاؤس بن قیسان کا یہ قول نہیں بھولنا چاہئے کہ:”اگر کوئی عراقی تجھے سو حدیثیں بتائے تو ان میں سے ۹۹ کو تو بالکل پھینک دو اور باقی کے بارہ میں بھی شک ہی کرو“۔(سنن ابی داؤد)

جہاں تک عکرمہ کے خارجی، غیر ثقہ اور کذاب ہونے کا تعلق ہے تو اس ضمن میں کتب الرجال کی بڑی بڑی تالیفات سے درج ذیل شواہد آپ کے سامنے پیش ہیں:

(ا)الذہبی کہتے ہیں:

’’ ہمیں الصلت ابوشعیب نے بتایا کہ میں نے محمد بن سیرین سے عکرمہ کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اس بات سے کوئی تکلیف نہیں کہ وہ اہل جنت میں سے ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے‘‘۔

الذہبی مزید کہتے ہیں

’’یعقوب بن الحضرمی اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا کہ ایک بار عکرمہ مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اس مسجد میں موجود سب لوگ کافر ہیں۔عکرمہ اباضیہ فرقہ کے خیالات رکھتا تھا‘‘۔

الذہبی مزید فرماتے ہیں:

’’ابن المسیب نے اپنے غلام بزد سے کہا کہ میری طرف منسوب کر کے جھوٹی روایات بیان نہ کرنا جیسے عکرمہ، ابن عباس کی طرف جھوٹی روایات منسوب کرتا ہے‘‘۔

(محمد بن احمد بن العثمان الذھبی (وفات ۷۴۸ ھجری) میزان الاعتدال فی نقد الرجال، طبعه ثالثه ۱۹۶۳ء، دار احیاء الکتب العربیه عیسی البابی الحلبی، القاھرہ، القسم الثالث۔ صفحه ۹۳ تا ۹۷)

(ب) ایک اور محقق لکھتے ہیں:

’’عبداللہ بن الحارث کہتے ہیں کہ میں علی بن عبداللہ بن عباس کے ہاں گیا تو دیکھا کہ حضرت الحسن کے گھر کے دروازے کے سامنے عکرمہ پابہ زنجیر پڑا ہے۔میں نے علی کو کہا کیا تمہیں خوف خدا نہیں؟علی کہنے لگے۔یہ خبیث (عکرمہ) میرے والد صاحب کے نام پر جھوٹی روایات بیان کرتا پھرتا ہے‘‘۔

نیز لکھتے ہیں:

’’وھیب روایت کرتے ہیں کہ میں یحیٰ بن سعید الانصاری اور ایوب کے پاس تھا کہ انہوں نے عکرمہ کا ذکر کیا۔یحیٰ بن سعید نے کہا کہ عکرمہ کذاب تھا‘‘۔

(ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسی بن الحماد المکی۔ الضعفاء الکبیر، دارالکتب العطیه، بیروت، طبع اول ۱۹۸۴ء، السفر الثالث صفحه ۲۷۳، ۲۷۴)

(ج) حضرت ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

☆یحیی بن معین نے کہا: امام مالک بن انس نے عکرمہ سے صرف اس وجہ سے روایت بیان نہیں کی کہ وہ صفریہ فرقے کے خیالات رکھتا تھا۔

☆عطار کہتے ہیں کہ وہ (عکرمہ) اباضیہ فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔

☆الجوزجانی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ کیا عکرمہ اباضی تھا۔انہوں نے کہا: کہا جاتا ہے کہ وہ صفری تھا۔

☆مصعب الزبیری کے نزدیک عکرمہ خارجی خیالات کا حامل تھا۔

☆ابراہیم بن منذر نے معن بن عیسی اور دوسرے لوگوں سے روایت کی ہے کہ امام مالک، عکرمہ کو ثقہ خیال نہ کرتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ اس کی بیان کردہ روایات قبول نہ کی جائیں۔

☆میں نے اہل مدینہ میں سے بعض کو یہ کہتے سنا ہے کہ عکرمہ اور عزہ نامی لڑکی کے عاشق کثیر کی میتیں ایک ہی دن میں مسجد کے دروازے کے سامنے لائی گئیں۔لوگوں نے کثیر کا جنازہ تو پڑھ لیا مگر عکرمہ کا جنازہ نہ پڑھا۔احمد سے بھی اسی مفہوم کی روایت بیان ہوئی ہے۔

☆ہشام بن عبداللہ المخزومی کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی ذئب کو کہتے سنا کہ عکرمہ غیر ثقہ تھا اور میں نے اسے دیکھا ہوا ہے‘‘۔

(امام حافظ شھاب الدین احمد بن حجر العسقلانی۔ تھذیب التھذیب، مطبعه مجلس دائرۃ المعارف النظامیه، حیدرآباد دکن۔ طبع اول، جز ھفتم، صفحه ۲۶۷ تا ۲۷۱)

پس ایک ایسی روایت پر بناء کرنا جس کے بارہ میں واضح طور پر ثابت ہو کہ اس کا راوی سخت جھوٹا تھا اور حضرت علیؓ کا دشمن ہے قطعاً جائز نہیں۔

داخلی شھادت

پھر جب ہم روایت کے الفاظ کی چھان بین کرتے ہیں تو اس کو کئی لحاظ سے غلط پاتے ہیں:

ا۔ اس میں شک نہیں کہ ابن عباسؓ کا اپنا ایک مقام ہے مگر حضرت علیؓ کے مقام کا مقابلہ تو وہ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ خلیفۃ الرسولؐ تھے۔خدا نے ان کو خلافت کے لئے چنا تھا۔

یہ ممکن نہیں تھا کہ حضرت ابن عباسؓ کو تو آنحضرت ﷺ کی ہدایت کا پاس ہو اور حضرت علیؓ کو پاس نہ ہو۔ اگر ہم روایت کو درست بھی مان لیں تب بھی ابن عباس کا طرز بیان ہی بتا رہا ہے کہ وہ اس خبر کی تصدیق ہی نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں: میں اپنے متعلق سوچ کر دیکھتا ہوں تو میں کبھی ایسا کرنے کے لئے تیار ہی نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ واضح حکم تھا۔ حضرت علی کب ایسا کر سکتے ہیں۔

اس لئے حضرت علیؓ کے متعلق ایسی ذلیل بات منسوب کرنا کہ انہوں نے زندہ جلا دیا یہ بالکل جھوٹ ہے اور قطعی جھوٹ ہے۔ کیونکہ آپ کے ایک شدید دشمن کی طرف مروی ہے جو حضرت علیؓ پر بہتان بازی کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس بات کی تصدیق ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں عکرمہ بتاتا ہے کہ جب حضرت علیؓ کو حضرت ابن عباسؓ کے اس ردعمل کی خبر پہنچی تو آپ نے سخت برہم ہو کر کہا "ویح ابن عباس" کہ خدا ابن عباس کو غارت کرے۔ (سنن ابوداؤد، الحدود، الحکم فیمن ارتد)

۲۔ پھر "من بدل دینه فاقتلوه" کا جملہ عمومیت رکھتا ہے اور اس کے کئی معنی کئے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ لفظ "من" مرد، عورتوں اور بچوں سب پر اطلاق پاتا ہے مگر کئی فقہاء ایسے ہیں جنہوں نے مرتد عورت کے قتل کو ناجائز قرار دیا ہے۔

۳۔ پھر "دینه" میں لفظ دین سے کوئی بھی دین مراد لیا جاسکات ہے صرف اسلام ہی مراد نہیں لیا جاسکتا۔ بت پرستوں کے دین کو بھی قرآن میں دین کہا گیا ہے۔

(سورہ الکافرون)

ان احتمالات کے ہوتے ہوئے ایسی روایات کو صرف ایسے مسلمان سے جو اپنا دین بدل دے مخصوص کر دینا کس طرح ممکن ہے؟ قانون کی حساس و باریک زبان کو مدنظر رکھتے ہوئے اس روایت کی رو سے تو ہر اس انسان کو جو اپنا دین بدلے قتل کیا جائے گا خواہ اس کا کوئی بھی دین ہو۔ پھر تو ہر وہ یہودی جو عیسائی ہو جائے قتل کیا جائے گا اور ہر عیسائی جو مسلمان ہو جائے قتل کیا جائے گا اور ہر وہ مشرک جو کوئی اور دین اختیار کرے قتل کیا جائے گا۔ پھر لفظ "من" اسلامی حکومت کی حدود سے باہر بھی اطلاق پائے گا یعنی ہر وہ شخص جو اپنا دین بدلے قتل ہوگا خواہ اسلامی حکومت کے باہر آسٹریلیا میں رہتا ہو یا افریقہ اور جنوبی امریکہ کے جنگلوں میں!!۔

نیز سوچئے کہ اسلام خود تو اپنے پیروکاروں کو یہ تلقین کرتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلاؤ حتی کہ وہ ہر مسلمان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مبلغ اور داعی الی اللہ بنے۔ مگر دوسرے مذاہب کے بارہ میں کیا ہوگا؟ کیا ان کو بھی تبلیغ کا ویسا ہی حق ہوگا جیسا اسلام کو ہے؟ قتل مرتد کے غیر انسانی اور بدعتی نظریہ کے حامی حضرات یہ نہیں سوچتے کہ مختلف قوموں اور مذاہب کے باہمی انسانی تعلقات پر اس نظریہ کے کیسے بدنتائج پڑیں گے؟ وہ کیوں نہیں سمجھتے کہ اگر اس نظریہ کو درست مانا جائے تو پھر دوسرے لوگوں کو تو اپنا دین بدلنے کی اجازت ہوگی مگر مسلمانوں کو اپنا دین چھوڑنے کا حق نہ ہوگا اور اسلام کو تو یہ حق ہوگا کہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کا دین بدلے مگر دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو قطعاً یہ حق نہ ہوگا کہ اسلام کے پیروکاروں کو دوسرے عقائد کا قائل کریں؟ اسلام کے عدل وانصاف کو یہ کیسی بھیانک شکل میں یہ لوگ دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں؟

لہذا اس روایت سے قتل مرتد کا استدلال کرنا بالکل غلط ہے کیونکہ اس کا مفہوم غیر واضح ہے۔ اس کا راوی کذاب، فاسق اور خارجی ہے جو حضرت علیؓ پر یہ تہمت لگا رہا ہے کہ آپ نے زندیقوں کو زندہ جلوا دیا اور اگرچہ حضرت امام بخاریؒ کو علم نہ ہو سکا مگر آپ کے بعد کے محدثین نے ثابت کیا ہے کہ وہ خارجی اور حضرت علیؓ کا دشمن تھا اور اس کا فسق اور خباثت اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ مسلمانوں نے اس کا جنازہ تک پڑھنا گوارا نہ کیا۔

"من بدل دینه فاقتلوه" کے اصل معنی

جہاں تک اس ٹکڑے "من بدل دینه فاقتلوه" کا تعلق ہے تو ہماری تحقیق بتاتی ہے کہ اگر یہ ٹکڑہ درست اور سچا ہے تو اسے دوسری تفصیلی احادیث کے بیان سے الگ کر کے پیش کیا گیا ہے، جو سب کی سب، بلا استثناء قتل مرتد کے ذکر سے خالی ہیں۔ وہ صرف ان مرتدین کے قتل کا ذکر کرتی ہیں جو مسلمانوں سے جنگ کرتے اور ان کے خلاف تلوار سونتتے ہیں۔ ان احادیث میں سے چند بطور نمونہ پیش ہیں۔

یعنی عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی ایسے مسلمان کا خون کرنا جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں (محمد) اللہ کا رسول ہوں ہرگز جائز نہیں سوائے تین صورتوں کے۔ اول یہ کہ اس نے کسی جان کو قتل کیا ہو جس پر بدلہ میں اسے قتل کیا جائے۔ دوم یہ کہ وہ ایسا شخص ہو جو باوجود شادی شدہ ہونے کے زنا کا مرتکب ہوا ہو۔ سوم یہ کہ وہ دین سے نکل جائے اور جماعت کو چھوڑ دے۔

(بخاری کتاب الدیات باب قول الله " ان النفس بالنفس")

ابوقلابہ بیان کرتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے ایک روز دربار لگایا اور لوگوں کو ملنے کے لئے بلایا۔لوگ آپ کے پاس آئے۔ایک کیس کے بارہ میں آپ نے مجھے فرمایا۔ابوقلابہ تمہاری کیا رائے ہے۔میں نے عرض کی خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے سوائے درج ذیل تین قسم کے مجرموں کے کسی کو قتل نہیں فرمایا۔ ایک تو وہ جو دوسرے کو بغیر وجہ کے قتل کرے۔ پھر وہ جو محصن ہونے کے باوجود (شادی شدہ ہونے کے باوجود) زنا کا ارتکاب کرے۔پھر وہ جو خدا اور رسول سے محاربت (جنگ) کرے اور اسلام سے مرتد ہوجائے۔لوگوں نے کہا کہ کیا انس بن مالک نے حضورؐ سے یہ بیان نہیں کیا کہ حضورؐ نے چوری کرنے کے جرم میں ہاتھ کٹوائے تھے اور مجرموں کی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلائیاں پھیرنے کا حکم دیا تھا اور پھر انہیں دھوپ میں پھینکوایا تھا۔

میں نے کہا انس والی حدیث میں بیان کرتا ہوں انس نے مجھے بتایا تھا کہ عکل ثمانیہ کے بعض لوگ حضورؐ کے پاس آئے اور آپ کی بیعت کرکے اسلام میں داخل ہو گئے۔

آب وہوا موافق نہ ہونے کی وجہ سے بیمار ہوگئے اور اس امر کی حضورؐ کے پاس شکایت کی۔آپ نے فرمایا آپ لوگ ہمارے چرواہے کے ساتھ باہر اونٹ چرانے کیوں نہیں چلے جاتے تا ان کا دودھ وغیرہ پی سکو؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ پھر انہوں نے ایسا ہی کیا اور صحت یاب ہوگئے۔

تب انہوں نے حضورؐ کے چرواہے کو قتل کردیا اور جانور ہانک کر لے گئے۔جب حضورؐ کو اس بات کی اطلاع ملی تب حضورؐ نے لوگوں کو ان کے پیچھے بھجوایا۔چنانچہ ان کو حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا تب حضورؐ نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالنے کا حکم دیا نیز ان کی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلائیاں پھری گئیں۔اور انہیں دھوپ میں ڈال دیا گیا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔

میں نے کہا ان کے اس جرم سے بڑھ کر کوئی جرم بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ ایک تو وہ اسلام سے مرتد ہوئے پھر قتل کیا اور چوری بھی کی۔

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں پر ہلہ بولا، انہیں ہانک کر لے گئے اور ساتھ ہی اسلام سے مرتد بھی ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ایک مومن چرواہے کو قتل بھی کیا تھا۔آپؐ نے ان کو پکڑنے کے لئے آدمی دوڑائے،جن کے ہاتھ یہ مجرم پکڑے گئے۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دئے اور آنکھوں میں سلائیاں پھیریں۔ان لوگوں کے بارہ میں آیت محاربہ نازل ہوئی۔(سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب ماجاء فی المحاربہ)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کو جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہو سوائے تین وجوہ کے خون بہانا جائز نہیں۔یا وہ ایسا شخص ہو جس نے شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کیا ہو۔ایسے شخص کو سنگسار کیا جائے گا۔یا ایسا شخص ہو جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے نکلا ہو۔ایسے شخص کو یا قتل کیا جائے گا یا صلیب دے کر مارا جائے گا یا ملک بدر کیا جائے گا۔یا ایسا شخص ہو جس نے کسی جان کا ناحق خون کیا ہو۔اسے مقتول کے بدلے قتل کیا جائے گا۔
(سنن ابوداؤد، کتاب الحدود، باب الحکم فی من ارتد)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کا خون کرنا جائز نہیں سوائے ان تین جرائم میں سے کسی ایک کی وجہ سے۔یا تو وہ شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب ہوا ہو،اسے سنگسار کیا جائے گا۔یا ایسا شخص ہو جو اسلام سے نکل کر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے لگ جائے۔یہ شخص یا قتل کیا جائے گا یا صلیب دے کر مارا جائے گا یا ملک بدر کیا جائے گا۔(سنن النسائی، کتاب المحاربہ باب الصلیب)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان شخص کا قتل جائز نہیں سوائے تین صورتوں کے۔یا تو وہ شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب ہو۔ایسی صورت میں وہ سنگسار کیا جائے گا۔یا وہ کسی کو عمداً قتل کرے ایسی صورت میں وہ قتل کیا جائے یا وہ اسلام لانے کے بعد مرتد ہوکر اس سے نکل جائے اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرے۔ایسی صورت میں وہ یا تو قتل کیا جائے گا یا صلیب دے کر مارا جائے گا۔یا ملک بدر کیا جائے گا۔(سنن دارقطنی کتاب الحدود والدیات)

لغت میں قتل کے مجازی معنی

پھر لغت کی کتب میں قتل، مجازی معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔چنانچہ عربی زبان کے عظیم علماء نے لکھا ہے:

☆و من المجاز: قتل الشیء خبرا و علما۔ أی علمه علما تاما۔ و قتل الشراب: اذا مزجه بالماء فأزال بذالک حدته۔

☆و قتل فلانا: أذله۔

☆و تقتل الرجل للمرأة: خضع، و ناقة مقتلة۔

☆ و قوله تعالیٰ: قتل الانسان ما اکفره، أی لعن، قاله الفراء، و قوله: قاتلهم الله انی یؤفکون۔ ای لعنهم۔ و فی الحدیث: قاتل الله الیهود: أی قتلهم الله۔ و قیل لعنهم۔ و قیل عاداهم۔ و فی حدیث الماربین یدی المصلی۔ قاتله فانه لشیطان: أی رافعه من قبلتک۔ و لیس کل قتال بمعنی

القتل۔

☆ قتل الله فلانا فانه کذا: أی رفع شره۔ و فی حدیث السقیفة قال عمر : قتل الله سعدا، فانه صاحب فتنة و شر، أی دفع الله شره۔ و فی روایة: اقتلوا سعداً قتله الله،أی اجعلوه کمن قتل، ولا تعتدوا بمشهده ولا تعرجوا علی قوله۔

☆ و فی حدیث عمرا أیضا: من دعا الی أمارة نفسه أو غیره من المسلمین فاقتلوه۔ أی اجلوه کمن قتل و مات بالا تقبلوا له قولا و لا تقیموا له دعوة۔ و لذالک الحدیث لآخر: اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الأخیر منهما۔ ای أبطلو ا دعوته، و اجعلوه کمن مات"۔

(تاج العروس، لسان العرب، المعجم الوسیط)

کہ مجازی طور پر کہتے ہیں:قتل الشی ء خبراً و علماً:اس نے کسی بات کو علم کے لحاظ سے قتل کر دیا،یعنی اس چیز کے بارہ میں مکمل علم حاصل کیا۔ پھر کہتے ہیں اس نے شراب کو قتل کیا۔مراد یہ ہوتی ہے کہ شراب میں پانی ملا کر اس کی تیزی ختم کی۔اور قتل فلانا کہتے ہیں تو مراد ہوتی ہے کہ اس نے دوسرے کو ذلیل ورسوا کیا۔اور تقتل الرجل للمرأة کہیں تو مطلب ہوتا ہے کہ مرد،عورت کا مطیع ہوگیا۔اور ناقة مقتلہ ایسی اونٹنی کو کہتے ہیں کو مالک کے اشارے پر چلتی ہو۔

آیت کریمہ ''قتل الانسان ما اکفرہ'' کے بارہ میں قراء نے کہا ہے کہ یہاں قتل کا مطلب ہے لعن، یعنی خدا کی لعنت ہو انسان پر۔اسی طرح ''قاتلهم الله أنی یوفکون'' میں قاتل کا مطلب یہ کیا گیا ہے کہ خدا منافقین پر لعنت ڈالے۔حدیث میں ہے :قاتل الله الیهود: مراد ہے اللہ یہود کو ہلاک کرے۔بعض نے اس کا معنی کیا ہے کہ ان پر لعنت ڈالے اور بعض نے یہ کیا ہے کہ ان کا دشمن ہو۔

حدیث میں نمازی کو حکم ہے کہ اگر کوئی اس کے آگے سے گزرے تو ''قاتله فانه لشیطان''۔ اور قاتل کے یہاں معنی یہ کئے گئے ہیں کہ اسے اپنے آگے سے ہٹا دو۔

اس سے بھی پتہ چلا کہ قاتل کا لفظ ہر بار ظاہری طور پر قتل کرنے کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔

اسی طرح کہتے ہیں:قتل الله فلانا اور مراد ہوتی ہے کہ اللہ اس کے شر سے بچائے۔چنانچہ سقیفہ بنی سعدیہ کے موقعہ پر حضرت عمرؓ نے کہا:قتل الله سعداً، کہ خدا سعد کے شر سے مسلمانوں کو بچائے۔دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:اقتلوا سعداً قتله الله،اور مراد یہ تھی کہ اس کو مقتول سمجھو۔یوں سمجھو کہ گویا یہ زندہ ہی نہیں،اور اس کی بات نہ مانو،اس کی گواہی قبول نہ کرو۔

اسی طرح حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو اپنا یا کسی مسلمان کا نام امارت کے لئے پیش کرے تو :اقتلواہ،یعنی اسے یوں سمجھو کہ جیسے قتل ہو گیا ہے، مرکھپ گیا ہے۔اس کی بات کو نہ مانو۔اسی لئے ایک دوسری حدیث میں ہے: جب لوگ دو خلیفوں کی بیک وقت بیعت کرلیں تو دوسرے کو قتل کردو اور مراد یہ ہے کہ اس کو جھوٹا سمجھو اور یوں سلوک کرو کہ گویا وہ زندہ ہی نہیں۔

تو معلوم ہوا کہ قتل سے مراد عربی میں اور بھی ہے۔اس لئے فاقتلوہ سے بدنی قتل مراد لینا آیات قرآنیہ صریحہ کے منافی ہے اور سنت رسول ؐ کے مخالف۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ نے اقتلوہ کا لفظ بائیکاٹ کرنے اور کالعدم سمجھنے کے معنوں میں استعمال کیا۔چنانچہ ایک معزز صحابی نے ابتداء میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی تو حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق '' اقتلوہ'' کے الفاظ استعمال فرمائے۔اور سب سے یہ مراد لی کہ اس سے قطع تعلق کرلو۔

(محمد بن جریر الطبری، تاریخ الطبری، مصر، دارالمعارف ۱۹۶۲ء جزء الثالث صفحه ۲۲۲)۔

سو جب قتل کے دیگر معانی موجود ہیں تو ایسی صورت میں اگر کوئی ایسی یقینی حدیث بغیر کسی شرط کے بھی نکل آئے جہاں فاقتلوہ کا لفظ استعمال ہوا ہو تو چونکہ ایسی حدیث میں مذکور لفظ فاقتلوہ کا یہ ترجمہ کرنا کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دو قرآن کریم کی صریح آیات کے منافی ہے جن کی تشریح سنت رسولؐ نے کھلی کھلی کردی۔(اور آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں معروف ترین مرتدین جو مرتدین کے سردار تھے، پردسترس پاتے ہوئے بھی ان کے قتل کا حکم نہیں دیا بلکہ ان کی بخشش کی دعا مانگتے رہے) اس لئے اس پس منظر میں اگر اس حدیث کو قبول کرنا ہے تو فاقتلوہ کا وہ معنی کرنا پڑے گا جو قتل کے علاوہ ہے،یعنی ان سے قطع تعلق اختیار کرلو اور ان کے بد اثر سے بچ کے رہو۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۲۹ راگست ۱۹۹۷ء تا ۴ رستمبر ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۷

قتل مرتد کی تردید کرنے والی احادیث

اب میں قتل مرتد کی تردید کرنے والی کھلی کھلی احادیث میں سے بعض آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔سنئے یہ واضح حدیث جو قتل مرتد کے عقیدے کے بخیے ادھیڑ رہی ہے:

پہلی حدیث:

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک بدو حاضر ہوا اور آنحضور ﷺ کی بیعت کی اس کے بعد اسے مدینہ میں بخار ہو گیا۔ وہ بدو بے چارہ وہمی تھا وہ سمجھا کہ اسلام قبول کرنے کی سزا ملی ہے۔ میں تو مارا گیا اسلام قبول کر کے۔ بیچارہ بڑا سادہ آدمی تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہؐ میرا اسلام واپس کر دیں۔ میں باز آیا اس بیعت سے جس کے نتیجے میں مجھے تکلیف پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ یہ سادہ آدمی ہے اس لئے آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ دیکھو اگر تم ارتداد اختیار کرو گے تو قتل کر ڈالوں گا۔ نہیں! بلکہ آپ نے واضح انکار کر دیا کہ میں تمہاری بیعت واپس نہیں کرتا۔ پھر دوبارہ آیا۔ بخار ابھی چڑھا ہوا تھا اور کہا: میں بیعت فسخ کرنے کی درخواست کرتا ہوں مجھے معاف کر دیں (وہ سمجھتا تھا کہ جب تک رسول اللہؐ اعلان نہ کریں کہ میں نے تمہارا اسلام واپس کر دیا میرا بخار نہیں اترے گا) رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا: نہیں۔ میں نے تمہاری بیعت واپس نہیں کرنی۔ اس پر اس نے تیسری بار آکر عرض کی کہ میری بیعت مجھے واپس کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں میں نے نہیں کرنی۔ چنانچہ بدو ناراض ہو کر مدینہ سے چلا گیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا "مدینے کی مثال تو بھٹی کی طرح ہے جو میل کو باہر نکال دیتی ہے۔ یعنی غلط آدمی تھا اس لئے باوجود میری کوشش کے اسلام میں نہیں ٹھہر سکا۔ مدینے کی پاکیزگی اور اس کے اچھے ماحول نے اس گند کو باہر پھینک دیا جس طرح بھٹی میل کو نکال دیتی ہے۔

(بخاری کتاب الحج باب المدینة تنفی الخبث)

گویا ثابت ہوا کہ رسول کریم ﷺ کے نزدیک وہ مرتد تھا۔ خود کہہ رہا تھا کہ میرا اسلام واپس کر دیں۔ تین دفعہ ایسا کہا اور جب نکل گیا تو آپ نے فرمایا وہ گندا آدمی تھا۔ اگر اس کے دل میں کوئی بھی صفائی یا نیکی ہوتی تو مدینہ اس کو قبول کر لیتا۔ مگر آپ نے اس کے قتل کا حکم نہیں دیا۔ کیسے ممکن ہے کہ نعوذ باللہ حضرت عمرؓ کو تو علم ہو، حضرت علیؓ کو تو علم ہو، حضرت ابوبکرؓ کو تو علم ہو لیکن اگر علم نہ ہو تو رسول اللہؐ ہی کو نہ ہو کہ ارتداد کے جرم کی سزا کیا ہے؟!!

دوسری حدیث:

آنحضرت ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر کفار کے ساتھ جو شرائط منظور فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر کفار مکہ کے پاس چلا جائے گا تو کفار اسے واپس نہیں کریں گے۔

(عبدالملک بن هشام، السیرۃ النبویہ، القاهرہ۔ مکتبہ الکلیات الازهریہ ۱۹۷۱ء۔ جلد دوم، جزء الثالث صفحہ ۲۰۳)

اگر اسلام میں یہ واضح اور قطعی سزا موجود تھی کہ جو ارتداد کرے گا اسے قتل کیا جائے گا تو دین میں آنحضرت ﷺ ہرگز نرمی نہ فرماتے۔

تیسری حدیث:

پھر وہ روایت ہے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ حضرت عثمانؓ کے پاس چھپ کر ایک مرتد نے پناہ مانگی تھی اور اسے رسول اللہ ﷺ نے معاف فرما دیا تھا۔

(سنن ابی دائود، کتاب الحدود، باب الحکم فیمن ارتد)

یہ واقعہ بھی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ قتل مرتد کا کوئی تصور آنحضرت ﷺ کے ذہن میں موجود نہ تھا۔

چوتھی حدیث:

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابوموسیٰؓ نے مجھے ایک فتح کی خوشخبری پہنچانے کے لئے حضرت عمرؓ کی طرف بھیجا۔ واقعہ یہ تھا کہ بکر بن وائل قبیلہ کے ۶ افراد اسلام سے مرتد ہو کر مشرکین کے جتھے سے جا ملے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: ان لوگوں کا کیا بنا؟ میں نے عرض کی، یا امیرالمومنین، ان لوگوں نے اسلام سے ارتداد اختیار کیا تھا اور مشرکوں سے جا ملے تھے۔ قتل کے سوا اور کیا ان کے ساتھ کیا جانا تھا؟ اس پر عمرؓ فرمانے لگے: اگر میں انہیں قتل کئے بغیر صلح سے پکڑتا تو یہ بات مجھے دنیا میں موجود سب سونے اور چاندی کے مل جانے سے زیادہ پسندیدہ تھی۔ میں نے عرض کیا: یا امیرالمومنین، اگر آپ ان لوگوں کو پکڑ لیتے تو آپ ان سے کیا سلوک فرماتے؟ آپ نے فرمایا: میں ان سے کہتا کہ جس دروازے سے نکلے ہو اسی میں واپس آجاؤ۔ اگر وہ ایسا کرتے تو میں انہیں کچھ نہ کہتا اور اگر وہ نہ مانتے تو انہیں قید میں ڈال دیتا۔ (کنز العمال)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ خلیفہ راشد حضرت عمرؓ بھی نظریہ قتل مرتد کے مخالف تھے۔

نظریہ قتل مرتد اور علماء سلف

قتل مرتد کے قائلین جب زمانہ نبوی اور زمانہ خلافت راشدہ میں کوئی مضبوط ٹھوس دلیل نہیں پاتے (کوشش تو بہت کرتے ہیں) تو پھر اجماع کی باتیں شروع کر دیتے ہیں اور اسلام کے وسطی زمانہ (جبکہ تاریکی پھیل چکی تھی) کے علماء کی باتوں سے استنباط کرتے ہوئے یہ اعلان کرتے ہیں کہ اجماع ہو چکا ہے اس مسئلے پر، اس لئے اجماع کے مقابل پر کسی کی بات قبول نہیں کی جائے گی۔

دعویٰ اجماع جھوٹ ہے

دلیل اول:

اس اجماع کے خلاف ایک دلیل تو میں پہلے دے چکا ہوں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مرتدین گرفتار ہوئے ہیں اور ان کو قتل نہیں کیا گیا

(تاریخ الطبری، جزء الثالث ۔حوادث ۱۱ ھجری۔ صفحه ۲۵۹ تا ۲۶۳۔ نیز تاریخ ابن خلدون جلد دوم القسم الرابع صفحه ۸۶۴، ۸۶۵)۔

اس لئے اس زمانہ کا اجماع تو قتل مرتد کے عقیدہ کے خلاف تھا۔ اگر قتل مرتد کے عقیدہ کا اجماع ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ حضرت ابوبکرؓ مرتدین کو قتل نہ کرواتے۔ کسی ایک صحابی نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ قرآن کا حکم ہے کہ مرتد کو قتل کیا جائے اور یہ حد ہے جس کو جاری کرنا آپ پر فرض ہے۔ آپ کو اجازت ہی نہیں کہ ان لوگوں کو قتل کے سوا کوئی اور سزا دیں۔ آپ کو کس طرح یہ حق مل گیا کہ ان کو غلام بنالیں؟۔

تو یہ تقریری اجماع ہے صحابہؓ کا۔ ایک مخالف آواز کا بھی نہ اٹھنا ثابت کرتا ہے کہ اگر اجماع ہے تو اس بات کے حق میں ہے کہ مرتد کی سزا اسلام قتل قرار نہیں دیتا۔

دلیل دوم:

سنن دارقطنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یوں مروی ہے کہ:

”**عن ابن عباس قال: المرتدة عن الاسلام تحبس ولا تقتل**“ (سنن دارقطنی کتاب الحدود والدیات)

یعنی آپؓ کے نزدیک مرتدہ کو قتل نہیں کیا جائے گا، قید کیا جائے گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے عورت کو میدان جنگ میں بھی قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ سو یہ دونوں روایات مخالفت کر رہی ہیں مودودی صاحب کے اس نظریہ کی کہ مرتدہ قتل ہوگی اور اس بات کی بھی کہ قتل مرتد کے نظریہ پر امت کا اجماع ہے۔

دلیل سوم:

علامہ المرغینانی (وفات ۵۹۳ ہجری) فرماتے ہیں: ”.......... **و لنا ان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نھٰی عن قتل النساء، ولان الأصل تأخیر الأجزیة الی دار الآخرة۔ اذ تعجیلها یخل بمعنی الابتلاء۔ و انما عدل عنه دفعاً لشر ناجز و هوالحراب، و لا یتوجه ذالک من النساء لعدم صلاحیة البنیة بخلاف الرجال**“

(علی بن ابوبکر المرغینانی، الهدایة شرح بدایة المبتدی۔ الطبعة الاخیرة القاهرة۔ شرکة مصطفی البابی الحلبی و اولاده۔ ۱۹۶۵ء الجزء الثانی ۔کتاب السیر ۔ باب: احکام المرتدین صفحه ۷۲)

یعنی مرتدہ عورت کو قتل نہ کرنے کی دو وجوہ ہیں۔ ایک یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے (ویسے ضمناً میں بتا دوں کہ اس کی اطلاع پاکستانی علماء کو نہیں پہنچی، کیونکہ وہاں احمدی عورتوں کو بھی قتل کیا جا رہا ہے)۔ دوسرے یہ کہ سزا کا اصل یہ ہے کہ اس کو آخرت پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ اس دنیا میں جلدی سے سزا دے دینا آزمائش کرنے کے اصول میں خلل اندازی ہے اور اس قاعدہ سے جو عدول کیا گیا ہے تو وہ صرف پیدا ہونے والے شر کو روکنے کی غرض سے ہے اور وہ شر، حراب یعنی جنگ ہے اور چونکہ عورتوں میں مردوں کے برعکس اپنی خلقت کی وجہ سے جنگ کی قابلیت نہیں ہوتی اس لئے ان کو قتل کیا ہی نہیں جاتا۔

کیسا اعلیٰ پائے کا استدلال ہے؟ حیرت انگیز، فرماتے ہیں کہ عورتوں کے متعلق جو ہم کہتے ہیں کہ ان کو قتل نہیں کیا جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مرتد کے قتل کا حکم ہی نہیں ہے۔ صرف اس مرتد کے قتل کا حکم ہے جو حربی حیثیت رکھتا ہو اور جس کے متعلق واضح احتمال موجود ہو کہ اگر اسے چھوڑ و گے تو جا کے دشمن اسلام کے لشکر کے ساتھ شامل ہو کر تم پر حملہ آور ہوگا۔ چونکہ عورتیں فطرۃً اس قسم کی لڑائی میں شامل ہی نہیں ہوتیں اس لئے کسی کا حق نہیں کہ محض ارتداد کے جرم میں انہیں قتل کر دے۔ یہ واضح کھلا فتویٰ موجود ہے اور ابھی یہ کہہ رہے ہیں کہ اس بات پر امت کا اجماع ہو گیا ہے۔

دلیل چہارم:

اسی طرح بہت بڑے فقیہہ ''فتح القدیر'' کے مصنف امام ابن الھمام (متوفی ۶۸۱ ھجری)، فرماتے ہیں:

''.......... **یجب فی القتل بالردة أن یکون لدفع شر حرابه لا جزاء علی فعل الکفر ۔ لأن جزآء ه أعظم من ذالک عندالله تعالیٰ۔ فیختص بمن یتأتی منه الحراب ، وهو الرجل ، ولهذا نهی النبی ﷺ عن قتل النساء ...... ولهذا قلنا: لو کانت المرتدة ذات رأی و تبع تقتل ، لا لردتها ، بل لأنها حینئذ تسعی فی الارض بالفساد''۔**

(محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الھمام۔ شرح فتح القدیر علی الھدایة۔ طبع اول القاھرہ۔ شرکة البابی الحلبی۔ ۱۹۷۰ء۔ الجزء السادس۔ کتاب السیر باب احکام المرتدین۔ صفحه ۷۲)

یعنی مرتد کو صرف اس صورت میں قتل کیا جانا چاہئے جب اس کی طرف سے جنگ کے خطرے کو ٹالنا مقصود ہو نہ کہ محض کفر اختیار کرنے کی بناء پر، کیونکہ کفر اختیار کرنے کی سزا خدا کے نزدیک اس سے بہت بڑھ کر ہے۔ لہٰذا صرف ایسے مرتد کو قتل کیا جائے گا جو محارب ہو جو عموماً مرد ہوتا ہے نہ کہ عورت۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے بھی عورتوں کے قتل سے منع فرمایا ہے......اس بنا پر ہمارے نزدیک اگر مرتدہ عورت اثر ورسوخ اور جتھہ رکھنے والی ہو تو وہ قتل ہوگی۔ اور اپنے ارتداد کی وجہ سے نہیں بلکہ زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے۔

دلیل پنجم:

اسی طرح امام البابرتی (متوفی ۷۸۶ ہجری) فرماتے ہیں: ''قتل صرف جنگ کرنے کی بناء پر کیا جائے گا۔ کیونکہ محض کفر کرنے پر کسی کو قتل کرنا جائز نہیں۔ اسی وجہ سے اندھے، اور گھر میں پڑے ہوئے اور پیر فرتوت کو قتل نہیں کیا جاتا''۔ (گزشتہ حوالہ صفحہ ۷۴)

دلیل ششم:

نیز علامہ السرخسی جو پانچویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں لکھتے ہیں:

''کفر کرنا اگرچہ بہت بڑا جرم ہے مگر یہ بندے اور خدا کا معاملہ ہے۔ اس لئے اس کی سزا آخرت کو ملے گی۔ دنیا میں جو سزائیں دی جاتی ہیں وہ بندوں کے مصالح کی حفاظت کے لئے جاری کی گئی ہیں جیسے جانوں کی حفاظت کے لئے قصاص کی سزا، نسب کی حفاظت کے لئے حد زنا، لوگوں کے اموال کی حفاظت کے لئے حد سرقہ، عزت وناموس کی حفاظت کے لئے حد قذف اور عقل کی حفاظت کے لئے حد خمر ہے۔ چونکہ کفر پر اصرار کرنے والا مسلمانوں کا محارب ہوتا ہے اس لئے اس کی طرف سے جنگ کے شر سے بچاؤ کے لئے اسے قتل کیا جاتا ہے۔ جنگ اور محاربت کے شر سے بچاؤ کی فوری علت کو بعض جگہ خدا نے واضح بیان کیا ہے۔ جیسے فرمایا: ''**فان قاتلوکم فاقتلوھم**'' اور بعض جگہوں پر اس تک لے جانے والے سبب، شرک کا ذکر فرمایا ہے۔ پس جب ایک طرف یہ ثابت ہوگیا کہ قتل کرنے کی وجہ، جنگ اور محاربت ہے اور دوسری طرف یہ معلوم ہے کہ عورت کی خلقت جنگ کے قابل نہیں اس لئے وہ نہ کافرہ ہونے کی وجہ سے قتل ہوتی ہے نہ ارتداد اختیار کرنے پر''۔

(شمس الدین السرخسی، کتاب المبسوط طبع دوم، بیروت ، دارالمعرفة للطباعة والنشر جزء دھم صفحه ۱۱۰)

یہ کہتے ہیں اجماع ہوگیا ہے۔ اجماع کی باتیں کہاں سے کر رہے ہیں اور یاد رہے کہ یہ درمیانی زمانہ اسلام کے علماء میں سے ہیں۔

دلیل ہفتم:

اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استاد حضرت حماد کے استاد حضرت ابراہیم النخعی جو علماء حدیث اور فقہ میں ایک غیر معمولی مقام رکھتے ہیں، ان کے متعلق لکھا ہے کہ:

''وہ مرتد کو موت تک یعنی غیر محدود مدت تک مہلت دینے کے قائل تھے''۔

(امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی، نیل الاوطار۔ الطبعة الأخیرة القاھرہ شرکة مصطفی البابی الحلبی۔ جزء ھفتم۔ ابواب احکام الردة والاسلام۔ باب قتل المرتد۔ صفحه ۲۲۱)

اتنا بڑا چوٹی کا عالم، جو علماء حدیث اور فقہ میں ایک غیر معمولی مقام رکھتا ہے اس کا اختلاف انکو نظر ہی نہیں آ رہا اور کہتے ہیں: اتفاق ہوگیا ہے۔ چونکہ اس مسئلہ پر کامل اتفاق ہوگیا ہے اس لئے یہ اسلام کا ایک مسلمہ مسئلہ بن گیا ہے۔

عصر حاضر کے علماء کی آراء

اس زمانہ کے علماء نے بھی کبھی اس نظریہ پر اتفاق نہیں کیا۔سابقہ تو کبھی ہوا ہی نہیں۔اب بھی اجماع نہیں ہوا- مثلاً:

(۱) **امام محمود شلتوت سابق شیخ الازھر فرماتے ہیں:**

''اس جرم کے بارہ میں جو کچھ قرآن کریم میں آیا ہے وہ درج ذیل آیت کریمہ ہے:

﴿ومن یرتد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر۔ فاولٰئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ۔ و اولٰئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون﴾

اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس آیت میں صرف یہ ذکر ہے کہ ایسے مرتدین کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آخرت میں آگ میں رہتے چلے جانے کی سزا پائیں گے۔

جہاں تک اس جرم کی دنیوی سزا کا تعلق ہے تو اس کے ثبوت میں فقہاء درج ذیل حدیث پیش کرتے ہیں جو ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من بدل دینہ فاقتلوہ''

علماء نے اس حدیث پر مختلف زاویوں سے بحث کی ہے......اس مسئلہ کے بارہ میں نقطہ نظر اس وقت بدل جاتا ہے جب یہ بات سامنے رکھی جائے کہ بہت سے علماء کی رائے میں حدود کہلانے والی سزاؤں کی بنیاد حدیث آحاد کو نہیں بنایا جاسکتا اور یہ کہ صرف کفر کی وجہ سے کسی کا خون بہانا جائز نہیں بلکہ صرف اس صورت میں کسی کا خون بہانا جائز ہوگا جب کوئی مسلمانوں سے جنگ کرے اور ان پر حملہ کرے اور بزور شمشیر ان کو ان کے دین سے روکے اور یہ کہ قرآن کریم کی اکثر آیات واضح طور پر دینی امور میں کسی پر زبردستی کرنے کی مخالفت کرتی ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی'' نیز فرمایا '' افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین''

(الاسلام......عقیدہ و شریعۃ، طبعہ دارالعلم بالقاہرۃ صفحہ ۲۹۲، ۲۹۳)

(۲) نیز **استاذ محمد محمود زغلف، ڈاکٹر علاؤالدین زیدان، عبدالمنعم یحی الکامل اور یحی کامل احمد** صاحبان کی رائے ہے کہ: ''اس مزعومہ حد کی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے برعکس متعدد آیات قرآنیہ اس قسم کے مزاعم کو قطعاً باطل قرار دیتی اور انسان کو کفر یا ایمان کے اختیار کرنے میں آزادی دیتی ہیں چاہے وہ اسلام میں داخل ہو جائے اور چاہے تو اسے چھوڑ کر علیحدہ ہو جائے۔ نیز بتاتی ہیں کہ ہر انسان کے ایمان لانے یا حق سے اعراض کرنے کا حساب خود اللہ تعالیٰ آخر کار لے گا کیونکہ وہی اپنے بندوں کے سینوں کے پوشیدہ رازوں اور دلوں کے حالات سے پوری طرح باخبر ہے''۔

''......جو لوگ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی مرتدین کے خلاف حروب میں قتل مرتد کا جواز نکالتے ہیں انہیں جاننا چاہئے کہ اگر ہم ان حروب کے مختلف تاریخی پہلوؤں پر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ وہ لوگ صرف مرتد نہ تھے بلکہ انہوں نے اسلامی معاشرہ کے اندر فتنہ کھڑا کر رکھا تھا اور ملک کے امن وامان کو برباد کر دیا تھا حتی کہ انہوں نے مدینہ کا محاصرہ بھی کر لیا تھا۔جس پر مجبور ہو کر ابوبکر ان کے مقابلہ پر نکلے اور انہیں محاصرے سے نکالا۔اس سے ثابت ہوا کہ بات صرف اتنی سی نہ تھی کہ چند افراد مرتد ہو گئے تھے اور ان سے ان کے ارتداد کی وجہ سے جنگ کی گئی بلکہ ابوبکرؓ نے ان مرتدین کے خلاف اس لئے جنگ کی کہ تا آپ ان کی اسلامی حکومت پر یلغار کو روکیں اور اس میں فتنہ پردازی سے انہیں باز رکھیں تا کہ وہ اسلامی حکومت کے امن اور سلامتی کے لئے خطرہ نہ بنیں۔آپ نے یہ قدم درج ذیل ارشاد الٰہی کی روشنی میں اٹھایا تھا۔ ''و قاتلوا الذین یقاتلونکم و لا تعتدوا ان اللہ لایحب المعتدین''(البقرہ ۱۹۰)۔

اسی طرح کتب تاریخ میں مذکور ثعلبہ کا قصہ بھی حد ردہ کے بطلان پر بین ثبوت ہے اور اس بات کی تردید کرتا ہے کہ ابوبکرؓ نے مرتدین سے صرف اس بناء پر جنگ کی تھی کہ وہ زکوۃ دینے سے انکاری ہو گئے تھے۔کیونکہ ثعلبہ نے تو رسول اللہ ﷺ کو زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا اور آپ کے عامل کے ساتھ بڑی بے باکی اور بدزبانی کا مظاہرہ کیا تھا،مگر پھر بھی آپؐ نے نہ اس کے قتل کا ارشاد فرمایا اور نہ ہی اس سے زبردستی زکوۃ وصول کرنے کا۔بلکہ بعد میں خود ثعلبہ نادم ہو کر جب زکوۃ دینے آیا تو آپؐ نے لینے سے انکار فرما دیا۔اسی طرح آپ کے بعد ابوبکر وعمر وعثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے اپنے زمانہ خلافت میں کبھی اس سے زکوۃ قبول نہ کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ زکوۃ نہ تو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اور نہ ہی عہد صدیقی میں کوئی ایسا جبری ٹیکس سمجھی جاتی تھی جو قوت سے وصول کیا جاتا ہو،اور جو زکوۃ دینے سے انکاری ہوتا اس کے خلاف چڑھائی کی جاتی تھی۔نہیں، بلکہ مسلمان اپنے کامل ارادے سے اپنے مولا کی فرمانبرداری کرتے ہوئے،اپنے نفسوں کو پاک کرنے کی خاطر زکوۃ ادا کرتا تھا۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ ،رسول اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والے اور سب امور میں آپؐ کے اسوہ حسنہ پر کاربند تھے۔ایسی صورت میں آپ کے لئے

یہ ناممکن ہے کہ آپؐ تلوار کے زور سے کسی کو دین اسلام کی طرف لوٹنے پر مجبور کرتے۔ پس ہم خدا سے ڈرتے ہیں کہ ابوبکرؓ کی طرف وہ بات منسوب کریں جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مخالف ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ آپ نے ان مرتدین سے صرف اور صرف اس لئے جنگ کی تھی کہ تا آپ نئے نئے پروان چڑھنے والے اسلامی معاشرہ کو ان لوگوں کے فتنہ اور یورش سے بچاویں۔

ان حقائق کی روشنی میں وہ سارے فاسد خیالات جھوٹے ثابت ہو جاتے ہیں جو مستشرقین اور دشمنان اسلام نے ''مرتدین کے ساتھ ابوبکر کی جنگیں'' کے نام سے مشہور کئے ہوئے ہیں''۔

(حقیقة الحکم بما انزل الله۔ طبع اول ۔ دارنهر النیل ، القاهره صفحه ۱۲۶ تا ۱۳۲)

(۳) اسی طرح درج ذیل علماء کرام نے بھی اس بودے نظریہ کو بڑی شدت کے ساتھ رد کیا ہے۔

☆ مولوی غلام احمد پرویز۔

(نقطہ پرکار حیات ،یعنی جہاد کا صحیح مفہوم قرآن کریم کی روشنی میں۔ ادارہ طلوع اسلام اشرف پریس لاہور۔ جولائی ۱۹۶۸ء صفحہ ۳۰،۳۱)

☆ مولوی ابوالکلام آزاد۔(تفسیر ترجمان القرآن ۔ زمزم کمپنی لمیٹڈ لاہو ر جلد اول)

☆ مولانا نواب اعظم یار جنگ چراغ علی۔(اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام۔ طبع اول ، حیدرآباد دکن۔ ۱۹۱۰ء جز اول)

☆ مولانا محمد علی جوہر رئیس احرار۔(سیرت محمد علی ، بقلم رئیس احمد جعفری۔ طبع اول کتاب منزل ، لاہور)

☆ مولوی ثناء اللہ امرتسری۔(اسلا م اور عیسائیت، ثنائی برقی پریس ، ہال بازار روڈ امرتسر ۱۹۴۱ء)

☆ جناب رحمت اللہ طارق۔(قتل مرتد کی شرعی حیثیت، ادارہ ادبیات اسلامیہ ، ملتان ، طبع ثالث ۱۹۸۷ء)

☆ چیف جسٹس ایس اے رحمان۔(Punishment of Apostasy in Islam، ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان)

☆ جسٹس ایم آر کیانی،اور جسٹس محمد منیر۔(رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء)

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۵ ستمبر ۱۹۹۷ء تا ۱۱ ستمبر ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۸

کیا مودودی صاحب سنجیدہ ھیں؟

مولانا مودودی صاحب نے فرمایا تھا کہ اگر حقیقت میں ان مسلمانوں پر غور کرو تو وہ مسلمان ہیں ہی نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا وہ اپنے اس فتویٰ میں سنجیدہ تھے؟ سنئے وہ کیا فرماتے ہیں ان لوگوں کے متعلق جو جماعت اسلامی سے الگ ہو جائیں، اسلام سے الگ ہونے والوں کے متعلق نہیں بلکہ جماعت اسلامی سے الگ ہونے والوں کو متنبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''......یہ وہ راستہ نہیں ہے جس میں آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹ جانا دونوں یکساں ہوں۔نہیں، یہاں پیچھے ہٹنے کے معنی ارتداد کے ہیں''۔

(مودودی، روداد جماعت اسلامی، مرتبہ شعبہ تنظیم جماعت، لاہور مکتبہ جماعت ا سلامی حصہ اول صفحہ ۸)

اگر جماعت اسلامی سے علیحدہ ہو کر کسی اور جماعت میں شامل ہو جانے کا نام ارتداد ہے تو دوسری جماعت کا نام کفر نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے۔

ملاؤں کے ارادے

ان کے اردے کیا ہیں؟ اگر ان کا بس چلا (اور جس طرح حکومت پاکستان پر یہ قبضہ کر رہے ہیں ایک عالمی سازش کے تحت جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے) تو یہ کیا کریں گے؟؟ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء نے اس مسئلے پر غور کیا کہ اس کے نتیجے کیا نکلنے والے ہیں۔ عدالت کے جج صاحبان جسٹس منیر اور جسٹس کیانی نے لکھا کہ:

دیوبندیوں کے دارالعلوم سے مصدقہ فتویٰ (EX.D.E.13) میں اثنا عشری شیعوں کو کافر اور مرتد قرار دیا گیا ہے اور:

''شیعوں کے نزدیک تمام سنی کافر ہیں، اور اہل قرآن یعنی وہ لوگ جو حدیث کو غیر معتبر سمجھتے ہیں اور واجب التعمیل نہیں مانتے، متفقہ طور پر کافر ہیں اور یہی حال آزاد مفکرین کا ہے۔ اس تمام بحث کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ شیعہ، سنی، دیوبندی، اہل حدیث اور بریلوی لوگوں میں سے کوئی بھی مسلم نہیں۔ اور اگر مملکت کی حکومت ایسی جماعت کے

ہاتھ میں ہو جو دوسری جماعت کو کافر سمجھتی ہے تو جہاں کوئی شخص ایک عقیدے کو بدل کر دوسرا اختیار کرے گا اس کو اسلامی مملکت میں لازماً موت کی سزا دی جائے گی‘‘۔

(رپوٹ تحقیقاتی عدالت برائے فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء، صفحہ ۲۳۶، ۲۳۷)

میں نے کہا نہ تھا کہ آج اسلام کو عالم اسلام سے خطرہ ہے۔ یہ ایک عالمی بھیانک سازش ہے جس کا سربراہ آج امریکہ کا استعمار ہے۔ جن جن حکومتوں پر امریکہ کا رعب اور تسلط ہے وہاں قتل مرتد کا عقیدہ اٹھایا جا رہا ہے اور یہ ظالم یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان ہماری طرف رخ کرنے کی بجائے ایک دوسرے کی گردنیں کاٹیں اور جانتے ہیں کہ ان کمزور حکومتوں کو جو ہماری امداد پر پلتی ہیں، جو ہم سے روٹی مانگ کر کھاتے ہیں اور ہم سے ہتھیار لیتے ہیں جرأت نہیں ہوگی کہ کسی ہندو، کسی عیسائی، کسی یہودی کو قتل کریں۔ ہاں اگر ان کی بجلی گرے گی تو صرف مسلمانوں کے سر پر گرے گی۔ اگر یہ گردنیں کاٹیں گے تو صرف مسلمانوں کی کاٹیں گے۔ ہر فرقہ دوسرے فرقہ کو مرتد قرار دے گا اور ہر فرقہ جس کا زور چلے گا وہ دوسرے مرتد فرقے کو قتل کرتا چلے جائے گا۔ کہرام پڑ جائے گا عالم اسلام میں، اور ساری دنیا لعنت ڈالے گی ایسے مذہب پر اور ان لوگوں پر جن میں یہ بھیانک عقیدے چل رہے ہیں اور جو اس طرح اپنے دوسرے بھائیوں کے خون کو مباح سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے کو قتل کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ہے اس سازش کا خلاصہ۔

پرانا مشغلہ

اس سے پہلے یہ کھیل کھیلا جا چکا ہے۔ یہ کوئی فرضی بات نہیں ہے، عملاً عالم اسلام میں اس سے پہلے جہاں جہاں بھی ملانوں کا اسلامی حکومتوں پر قبضہ ہوا ہے یا ظالم اسلامی حکومتوں نے مسلمان علماء کو استعمال کیا ہے وہاں قتل مرتد کے نام پر اتنا بھیانک کھیل کھیلا جا چکا ہے کہ اس کے تصور سے آج بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

عباسی بادشاہ مامون اور اس کے بعد کے زمانہ کے چند واقعات میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ نہایت راستباز، خداترس، نیک عالم مسلمان، جن کی ساری زندگی اسلام کی خدمت کرتے گزری ان میں سے بعض کو اس دور میں خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہی صفات کے پیش نظر خدا اور اس کے کلام میں فرق ہے اور قرآن کریم مخلوق ہے۔ اس پر متعصب محدثین وفقہاء نے اس قول کو اسلام کے خلاف قرار دیا اور اس عقیدہ کے حاملین کو مرتد ٹھہرایا۔ مسلمان بزرگوں کے خون گلیوں میں بہتے رہے، اس جرم میں کہ وہ مرتد ہو گئے ہیں اور مرتد کی سزا قتل ہے اور ارتداد کی دلیل صرف اتنی تھی کہ انہوں نے قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی تنزیہی صفات کے پیش نظر مخلوق قرار دیا۔

یہ اتنا بھیانک ظالمانہ دور ہے مگر یہ صرف ایک دور نہیں بلکہ کثرت سے ایسے واقعات نہایت ظالمانہ طور پر اسلامی حکومتوں کے چہرے پر ایک ایسا کلنک کا ٹیکہ لگاتے ہیں کہ جسے دیکھ کر آج بھی آزاد دنیا اسلام اور اسلام کے ماننے والوں سے نفرت اور حقارت کرتی ہے اور اسلام کو ایک جاہلانہ تاریک ماضیوں کا مذہب قرار دیتی ہے۔ آج یہ علماء اس سے کوئی سبق حاصل نہیں کر رہے۔ کوئی شرم ان کو نہیں آتی۔ زبردستی قرآن اور سنت کے خلاف عقیدے اسلام کی طرف منسوب کرتے چلے جاتے ہیں اور اسلام کی تاریخ کو خون آلود کرتے چلے جاتے ہیں۔

نظریہ خلق قرآن کی ابتداء

خلق قرآن کا نظریہ سب سے پہلے جعد بن درھم نے پیش کیا۔ یہ شخص اموی بادشاہ مروان کا استاد تھا۔ اسے گورنر عراق خالد بن عبداللہ القسری نے کوفہ میں عیدالاضحیٰ کے روز ۱۱۸ ہجری میں یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے قتل کر ڈالا۔

اس نظریہ کا دوسرا حامی الجہم بن صفوان تھا جسے ۱۲۸ ہجری میں بنی امیہ کے ایک جرنیل نصر نے مار ڈالا۔

عباسی دور حکومت میں ہارون الرشید کے زمانہ میں بشر بن غیاث نے اس نظریہ کا اظہار کیا اور جب ہارون کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے قسم کھائی کہ اگر یہ شخص میرے قابو آ گیا تو میں اسے تہہ تیغ کر ڈالوں گا۔ جس پر بشر، ہارون کی ساری زندگی میں روپوش رہا۔

مگر عجیب بات ہے کہ قرآن کو مخلوق قرار دینے والے مسلم علماء کو قتل کی دھمکی دینے والے ہارون کا اپنا بیٹا مامون الرشید باپ کے مرنے کے بعد خلق قرآن کا قائل ہو گیا اور نہ صرف قائل ہوا بلکہ ۲۰۶ ہجری سے لے کر ۲۱۸ ہجری یعنی اپنی موت تک علماء کو ڈرا دھمکا کر اور سزائیں دے کر اس نظریہ کا قائل کرنے کی کوشش میں لگا رہا۔ حتی کہ ۲۱۸ ہجری میں بستر مرگ پر اس نے وصیت کی کہ علماء کو اس وقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک وہ خلق قرآن کے قائل نہ ہو جائیں۔ غرض ساری زندگی اس کا مشغلہ علماء کو سزائیں دینا اور ان کی تکفیر کرنا رہا۔ اس کے حکم پر گورنر بغداد نے ۲۵ سے زائد بڑے بڑے علماء، فقہاء اور محدثین کو زبردستی خلق قرآن کا قائل کرنے کو کہا۔ ان میں اکثر تو ڈر کر مان گئے۔

امام احمد بن حنبلؒ پر مظالم

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور محمد بن نوح ثابت قدم رہے۔ گورنر نے دونوں کو مامون کے پاس سلطنت کے شمال میں طرطوس کے مقام پر پابجولاں روانہ کیا۔ مگر راستہ میں مامون کی وفات کی خبر ملی تو آپ دونوں کو واپس بغداد لایا گیا۔ راستہ میں قیدی ہی کی حالت میں محمد بن نوح بیمار ہو کر وفات پا گئے۔

بغداد میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو معتصم کے دربار میں پابہ زنجیر پیش کیا گیا۔آپ کو انکار خلق قرآن پر مصر پا کر اس نے کال کوٹھڑی میں بند کر دیا۔کئی روز تک علماء کے ساتھ آپکا مناظرہ کرواتا رہا۔علماء بادشاہ کو کہتے کہ یہ شخص ضال، مضل اور بدعتی ہے،اسے قتل کر ڈالو اور پرواہ نہ کرو،اس کا خون ہماری گردن پر ہے۔کئی بار بادشاہ معتصم نے آپ کو علیحدہ کر کے کہا کہ دیکھو! تم مجھے اپنے بیٹے کی طرح عزیز ہو،مان جاؤ تا تمہیں جان بخشی ہو جائے۔مگر آپ نہ مانتے تھے۔جس پر وہ کئی جلادوں کو بلا کر آپ کے ننگے جسم پر زور سے کوڑے مرواتا،حتیٰ کہ رمضان میں روزہ کی حالت میں کوڑے مارے جاتے۔کوڑوں کی شدید ضربوں سے خون بہہ جاتا، آپ بیہوش ہو جاتے۔آپ کے جسم پر ہزار سے زائد کوڑوں کے نشان پڑے ہوئے تھے جن میں بعض چہرے پر بھی تھے۔کوڑوں کے یہ نشان مرتے وقت بھی آپ کی پیٹھ پر رہے۔ اسی طرح وہ آپ پر بھاری سلیں رکھواتا، روندواتا،آپ کا بازو کھینچ کر نکلوایا گیا جس کی تکلیف مرتے دم تک آپکو رہی۔آخر ۲۸ ماہ تک قید خانہ میں بیڑیوں میں جکڑے رکھنے اور کوڑے مروانے اور کئی دیگر سزاؤں کے بعد معتصم نے آپ کو چھوڑ دیا۔مگر زخموں سے آپ کا یہ حال تھا کہ آپ ہاتھ پاؤں بھی نہ ہلا سکتے تھے۔کئی ماہ تک کوڑوں سے لگنے والے زخموں کا علاج کیا گیا مگر مرتے دم تک آپ ان کی تکلیف سے نالاں رہے۔

معتصم کے بعد اگلے بادشاہ واثق نے آپ کو جسمانی ایذاء تو نہ دی مگر آپ کو شہر بدر کر دیا اور درس و تدریس سے آپ کو منع کر دیا۔

دوسرے مظلوم علماء

تاہم واثق نے دیگر علماء کو تختۂ مشق بنائے رکھا۔اس نے اپنی تلوار سے اپنے ہاتھوں سے اس زمانہ کے بہت بڑے عالم احمد بن نصر الخزاعی کو ۲۳۱ ہجری میں شہید کر ڈالا۔قصور محض یہی تھا کہ وہ خلق قرآن کا قائل نہ تھا۔

یہ فتنہ عراق سے نکل کر خراسان،حجاز اور مصر تک پھیل گیا تھا۔چنانچہ نہایت اعلیٰ پائے کے فقہاء محدثین کو قید کر کے بغداد لایا جاتا حتیٰ کہ بغداد اور سامرا کی جیلیں بزرگ علماء سے بھر گئیں۔آخر ۲۳۲ ہجری میں واثق کے مرنے پر اس فتنہ سے مسلم دنیا کو چھٹکارا نصیب ہوا۔

مامون، معتصم اور واثق کے دور میں شہادت پانے والے چند علماء کے نام یہ ہیں۔ان میں سے بعض تو قید میں ہی راہی ملک عدم ہوئے اور بعض کو تلوار سے مار ڈالا گیا:

محمد بن نوح، نعیم بن حماد، یوسف بن یحی المصری، محمد بن ابراھیم الاسکندری، احمد بن الخزاعی اور محمد بن عبداللہ بن الحکم۔

(ڈاکٹر مصطفی الشکعة الائمة الاربعة۔ دارالکتاب الکبنائی والمصری۔ بیروت والقاهرة۔ طبع اول فصل پنجم ۔فتنہ خلق قرآن صفحہ ۷۹۷ تا ۸۳۸)

انتباہ

لیکن ملاں کے منہ کو جو خون لگ چکا ہے یہ خون اس منہ سے اب اترنے والا نہیں ہے۔آج بھی اگر عالم اسلام کو ہوش نہ آئی اور ملاں کی بالادستی کو رد کر کے ردی کی ٹوکری میں نہ پھینکا گیا اور اسے مجبور نہ کیا گیا کہ تم دینی معاملات کو سیاست سے الگ رکھو، دین اسلام پر ظلم سے باز آجاؤ، صرف تقویٰ کی تعلیم دو، اگر ایسا نہ کیا گیا تو وہ ماضی کی بھیانک تاریخ پھر دہرائی جائے گی۔اور اس کے پیچھے بڑی بڑی حکومتیں ہیں جو چاہتی ہیں کہ ایسا ہو۔وہ چاہتی ہیں کہ مسلمان، مسلمان کی چھری سے ہلاک ہو اور اسلام، عالم اسلام کی چھری سے ہلاک ہو۔

ایک اہم اقتباس

تحقیقاتی عدالت کا ایک اور اقتباس پیش کر کے پھر میں اس مضمون کے آخری حصے کی طرف آتا ہوں۔تحقیقاتی عدالت لکھتی ہے کہ عدالت تسلیم کرتی ہے کہ:

''اسلامی مملکت میں ارتداد کی سزا موت ہے۔اس پر علماء عملاً متفق الرائے ہیں''۔

یعنی وہاں اس وقت عدالت میں جو علماء پیش ہوئے تھے وہ متفق الرائے تھے۔ان علماء کی عدالت بات کر رہی ہے مگر وہ علماء جن کے تھوڑی دیر قبل میں نے نام پڑھے ہیں انہوں نے ہرگز کسی عدالت کے ساتھ قتل مرتد کے حق میں بیان نہیں دیا۔مثلاً اہل قرآن کے رہنما غلام احمد پرویز ہیں۔اس زمانہ میں بھی اور اس سے پہلے بھی اس نظریہ کے خلاف وہ جہاد کر چکے ہیں، کتابیں لکھ چکے ہیں۔مولانا مودودی سے اس معاملے میں بڑی دلچسپ ٹکریں لے چکے ہیں۔اس لئے عدالت کی ہرگز یہ مراد نہیں کہ سارے علماء اس نظریہ پر متفق تھے بلکہ صرف وہ جو عدالت میں ان کے سامنے پیش ہوئے تھے عدالت لکھتی ہے:

'' اگر مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری یا مرزا رضا احمد خان بریلوی (مراد احمد رضا خان صاحب بریلوی ہیں۔ناقل) یا ان بے شمار علماء میں سے کوئی صاحب (جو

فتوے (EX.D.E 14) کے خوبصورت درخت کے ہر پتے پر مرقوم دکھائے گئے ہیں) ایسی اسلامی مملکت کے رئیس بن جائیں تو یہی انجام (یعنی موت ۔ ناقل) دیوبندیوں اور وہابیوں کا ہوگا جن میں مولانا محمد شفیع دیوبندی ممبر بورڈ تعلیمات اسلامی ملحقہ دستور ساز اسمبلی پاکستان اور مولانا داؤد غزنوی بھی شامل ہیں ۔ اور اگر مولانا شفیع دیوبندی رئیس مملکت مقرر ہو جائیں تو وہ ان لوگوں کو جنہوں نے دیوبندیوں کو کافر قرار دیا ہے، دائرہ اسلام سے خارج قرار دیں گے اور اگر وہ لوگ مرتد کی تعریف میں آئیں گے یعنی انہوں نے اپنے مذہبی عقائد ورثے میں حاصل نہ کئے ہونگے بلکہ خود اپنا عقیدہ بدل لیا ہوگا تو مفتی صاحب ان کو موت کی سزا دیں گے"۔

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۶۳)

مودودی کا تشدد

مولوی مودودی صاحب کا ایک اور دلچسپ حوالہ ہے جس میں وہ اس بات سے اختلاف رکھتے ہیں کہ سارے پیدائشی مسلمان مسلمان ہی شمار ہونگے ۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے والے بھی فی الحقیقت مرتد ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اسلامی حکومت میں ان سب کو بطور مسلمان قبول نہیں کریں گے بلکہ ایک سال کا نوٹس دیں گے کہ عملاً تو تم مرتد ہو ہی چکے ہو، اسلئے اب ہم تمہیں کھلی چھٹی دیتے ہیں کہ ایک سال کے اندر اندر خود اپنے منہ سے اسلام کی صداقت کا انکار کرو اور کہو کہ اسلام جھوٹا مذہب ہے ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ہم تمہیں معاف کر دیں گے اور جان بخشی کر دیں گے ۔ (بس ایک حسرت رہ گئی ہے کہ مسلمانوں سے اسلام کو جھوٹا سن لیں) اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو ہم تمہیں متنبہ کرتے ہیں کہ ایک سال گزرنے کے بعد اگر تمہاری یہی حالت رہی یعنی جسے ہم ارتداد سمجھتے ہیں، تو ہم قتل و غارت کریں گے، اور تم سب کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں گے اور بصورت دیگر جبراً تم سے اس اسلام پر عمل کرائیں گے جسے ہم اسلام سمجھتے ہیں............۔

وہ لکھتے ہیں:

"جس علاقہ میں اسلامی انقلاب رونما ہو وہاں کی مسلمان آبادی کو نوٹس دیا جائے کہ جو لوگ اسلام سے اعتقاداً وعملاً منحرف ہو چکے ہیں اور منحرف ہی رہنا چاہتے ہیں وہ تاریخ اعلان سے ایک سال کے اندر اندر اپنے غیر مسلم ہونے کا باقاعدہ اظہار کر کے ہمارے نظام اجتماعی سے باہر نکل جائیں ۔ اس مدت کے بعد ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں مسلمان سمجھا جائے گا ۔ تمام قوانین اسلامی ان پر نافذ کئے جائیں گے ۔ فرائض و واجبات دینی کے التزام پر انہیں مجبور کیا جائے گا اور پھر جو کوئی دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھے گا اسے قتل کر دیا جائے گا" (ارتداد کی سزا اسلامی قوانین میں ، صفحہ ۸۰)

اس جگہ کوئی مودودی صاحب کے ان الفاظ سے دھوکہ نہ کھائے کہ "ان سب لوگوں کو جو مسلمان کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں مسلمان سمجھا جائے گا" کیونکہ مودودی صاحب اس سے پہلے پڑھے جانے والے ایک حوالہ میں فتویٰ دے چکے ہیں کہ ان مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان میں ایک ہزار میں سے نوسو ننانوے بھی حقیقی مسلمان نہیں ۔ گویا اس کا معنی یہ ہوا کہ یہ مسلمان پیدائشی کافر ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر بچہ فطرت صحیحہ یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے ۔ یہ ہیں علماء کے ارادے اور یہ ہے ان علماء کے اسلام کا تصور اور یہ ہے ان کے نزدیک آزادیٔ ضمیر کا تصور۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۱۲ رستمبر ۱۹۹۷ء تا ۱۸ رستمبر ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۹

ارتداد اور تاریخ انبیاء

اب میں آپ کے سامنے ایک آخری بات جو دلچسپ بھی ہے اور اس مضمون پر حرف آخر کی حیثیت بھی رکھتی ہے اور ایک پہلو سے انتہائی دردناک بھی ہے، پیش کرتا ہوں۔

قرآن کریم نے ایک بڑی ہی وسیع اور بہت مستند اور نہایت مبسوط تاریخ انبیاء پیش کی ہے ۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے زمانے تک انبیاء علیہم السلام کے کیا عقائد رہے؟ کیا اطوار تھے؟ اور اس کے مقابل پر دشمنان مذہب، دشمنان نبوت کے کیا عقائد تھے؟ کیا اطوار تھے؟ ان کے دعوے کیا تھے؟ ان کے استدلال کیا تھے؟ نہایت مبسوط اور مسلسل تاریخ میں قرآن کریم نے ان سب باتوں کو محفوظ فرمایا ہے ۔ حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت رسول اکرم ﷺ تک کے انبیاء کا ذکر اور ان کے مخالفین کا ذکر اور ان کے درمیان چلنے والی بحث کا ذکر قرآن کریم نے محفوظ کیا ہے۔

دشمنان انبیاء کا عقیدہ

قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ بلا استثناء تمام منکرین انبیاء کا یہ عقیدہ تھا کہ جو کسی ملت سے ارتداد کرے اسے لازماً سزا ملنی چاہئے اور تمام انبیاء کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ ظلم

ہے، یہ سزا نہیں ملنی چاہئے۔اور قرآن کریم کہتا ہے کہ خدا انبیاء کے ساتھ تھا اور ان لوگوں پر لعنت ڈالتا تھا جو یہ عقیدہ رکھتے تھے اور اس پر عمل کی کوشش کرتے تھے کہ اگر کوئی اپنی ملت سے پھر جائے تو اس کی سزا قتل ہونی چاہئے، یا اسے قید کر دینا چاہئے۔ بحث ہی یہ چل رہی تھی۔ اول سے آخر تک قرآن کریم کا مطالعہ کرتے چلے جائیں آپ کو مسلسل یہی بحث نظر آئے گی۔

حضرت نوحؑ پر ارتداد کا الزام

چنانچہ حضرت نوحؑ کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ ان کی قوم نے بھی آپ کو کہا کہ تم اپنے دین سے خود بھی پھر گئے ہو اور دوسروں کا دین بھی تبدیل کروا رہے ہو اور:

﴿ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴾ (سورہ الشعراء:۱۱۷)

انہوں نے بیک آواز ہو کر کہا کہ اے نوحؑ! اگر تو اس بات سے باز نہ آیا، اگر تو نے ارتداد سے توبہ نہ کی اور لوگوں کو مرتد بنانے سے باز نہ آیا تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تیرا انجام یہ ہوگا کہ تو ہمارے ہاتھوں سنگسار کیا جائے گا۔

اس لئے اگر آج کوئٹہ کے علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ احمدی مرتد ہیں، ان کی مرضی کے خلاف زبردستی انہیں اسلام سے باہر قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس ارتداد کی سزا رجم ہے، ان کو زمین میں گاڑھ کر سنگسار کر دینا چاہئے، تو یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں، اس سے قبل حضرت نوحؑ کے مخالفین بھی بعینہ یہی دعویٰ کر چکے ہیں۔

حضرت ابراھیمؑ پر فتویٔ ارتداد

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں قرآن کریم میں آتا ہے:

﴿قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا﴾ (سورہ مریم : ۴۷)

ابراہیم کے باپ نے (جو بعض کے نزدیک ان کا چچا تھا مگر قرآن اسے باپ قرار دیتا ہے) اسے کہا کہ کیا تو میرے معبودوں سے پھر چکا ہے؟ اے ابراہیم! اگر تو باز نہ آیا تو میں تمہیں سنگسار کروں گا۔ اور بہتر ہے کہ سر دست کچھ دیر کے لئے تم میری نظروں سے اوجھل ہو جاؤ تاکہ میرا غضب کچھ ٹھنڈا ہو جائے۔

پھر اسی آواز کو حضرت ابراہیمؑ کے باپ کی قوم نے بھی اختیار کر لیا اور ارتداد کی سزا کا ایک اور طریقہ ایجاد کیا۔ انہوں نے کہا:

﴿قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ O قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ O وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴾ (سورہ الانبیاء:۶۹ تا ۷۱)

جب باپ نے سنگسار کرنے کا کہا تو قوم کو تو شہ مل گئی اگر باپ ارتداد کے جرم میں بیٹے کو یہ سزا دے سکتا ہے کہ اسے سنگسار کرا دے تو قوم نے تو ایک قدم آگے جانا ہی تھا۔ قرآن فرماتا ہے کہ انہوں نے یہ اعلان کیا کہ اسے زندہ آگ میں جلا دو، اور اس طرح اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ اگر کچھ کرنا ہی ہے تو یہ کر گزرو ورنہ تمہارا دین خراب ہو جائے گا۔ مگر ارتداد کی سزا قتل قرار دینے والوں کا حکم نہیں چلنا تھا۔ خدا فرماتا ہے کہ حکم میرا چلتا تھا آگ پر کیونکہ آگ میری تخلیق ہے۔ میں نے اس آگ کو حکم دیا: یٰنار کونی برداً و سلماً علی ابراھیم، کہ اے آگ! میرے ابراہیم پر ٹھنڈی پڑ جا اور اس کے لئے امن کا ذریعہ بن جا۔ سکینت کا ذریعہ بن جا۔

مقام عبرت

اس طرز کلام میں ایک بہت ہی عبرت کا مقام بھی ہے۔ بعض واقعات ایسے دردناک ہوتے ہیں کہ انسان آگ سے زیادہ جلانے والے بن جاتے ہیں۔ جن کی سرشت میں خدا تعالیٰ نے مٹی کی صفات بھی رکھی تھیں اور آگ کی صفات بھی وہ اپنے اندرونی ظلم کے نتیجہ میں ایسے بیباک ہو جاتے اور انسانی قدروں سے اس قدر گر جاتے ہیں کہ وہ جناتی قدروں میں داخل ہو جاتے ہیں اور آگ سے بڑھ کر ظالم ہو جاتے ہیں۔ خدا نے انہیں حکم نہیں دیا کہ تم رک جاؤ اور تم ٹھنڈے پڑ جاؤ کیونکہ خدا جانتا تھا کہ یہ لوگ آگ سے زیادہ شدید ہیں۔ ہاں آگ کو حکم دیا۔ خدا کو اس سے زیادہ یہ توقع تھی کہ وہ اس کا حکم مانے گی۔ آگ کو فرمایا کہ اے آگ! میرے ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا اور اس کے لئے سلامتی کا ذریعہ بن جا۔

پھر فرمایا: و ارادوا بہ کیداً فجعلنٰھم الاخسرین۔ انہوں نے ایک تدبیر کی تھی مگر خدا نے ان کی تدبیروں کو ناکام کر دیا۔

حضرت لوطؑ پر ارتداد کی تہمت

حضرت لوطؑ کے متعلق بھی ان کی قوم نے یہی طرز اختیار کیا اور آپ کو بھی ارتداد کے جرم میں سزاوار قرار دیا۔

﴿ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ O قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ O رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴾۔ (سورہ الشعراء: ۱۶۸تا ۱۷۰)

انہوں نے ایک اور سزا تجویز کی۔ کہا اگر تو ارتداد سے باز نہ آیا تو ہم تجھے وطن سے نکال دیں گے۔انہوں نے کہا: تم نے جو کرنا ہے کرلو۔ میں تو تمہارے عمل سے بیزار بیٹھا ہوں۔ تھک چکا ہوں تمہارے گند کو دیکھ دیکھ کر۔تم سے مجھے رحم کی کوئی توقع نہیں ہے۔پھر معاً آپ کا ذہن اپنے خدا کی طرف منتقل ہوا اور یہ عرض کی: اے ہمارے رب! مجھے اور میرے اہل کو ان سب حرکتوں سے نجات بخش جو وہ کرتے ہیں۔

حضرت صالح ؑ مرتد کہلائے

حضرت صالح ؑ کے ساتھ بھی ان کی قوم نے یہی سلوک کیا اور یہی بحث جاری تھی کہ ملت سے منہ موڑنے والے اور ارتداد اختیار کرنے والے کو کوئی سزا ملنی بھی چاہئے کہ نہیں؟

﴿ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴾ (سورہ النمل:۵۰)

انہوں نے کہا کہ سب اللہ کے نام کی قسم کھاؤ کہ ہم سب اس پر اور اس کے گھر والوں پر رات کے وقت حملہ کریں گے اور انہیں قتل و غارت کریں گے۔اور پھر جو بھی ان کے خون کا مطالبہ کرنے کے لئے آئے گا ہم اس سے کہیں گے کہ ہم نے اس کے اہل کی ہلاکت کے واقعہ کو نہیں دیکھا اور ہم سچے ہیں۔ہمیں کچھ پتہ نہیں۔یعنی بعض جگہ کھلم کھلا مرتد کی سزا یہ قرار دی گئی اور بعض جگہ مخفی حملے کی صورت میں یہ سزا تجویز کی گئی ہے تا کہ جرم میں پکڑے نہ جائیں۔

پس آج اگر پاکستان میں یہ ہو رہا ہے اور علماء کہہ رہے ہیں کہ تم قانون کی زد سے بچنے کے لئے چھپ کر حملے کرو، بوڑھوں کو مارو،عورتوں کو قتل کرو، بچوں کو قتل کرو، تو یہ کوئی نیا واقعہ نہیں۔اس سے پہلے حضرت صالح ؑ کے زمانہ میں بھی یہ واقعات گزر چکے ہیں۔

حضرت شعیب ؑ پر تہمت ارتداد

حضرت شعیبؑ کے متعلق قرآن کریم بیان فرماتا ہے:

﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِيْنَ O قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ﴾ (الاعراف:۸۹،۹۰)

کہ شعیب کی قوم اور متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب! ہم ضرور تجھے اور تجھ پر ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے سوائے اس کے کہ تم ہماری ملت میں واپس لوٹ آؤ۔یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تو ارتداد اختیار کر جائے اور ہم تجھے بغیر سزا کے چھوڑ دیں!

حضرت شعیب نے کیسا ہمیشہ زندہ رہنے والا جواب دیا کہ اس کے باوجود بھی تم ہم پر زبردستی کرو گے کہ تم جانتے ہو کہ ہمارے دل تمہارے دین سے متنفر ہو چکے ہیں؟ وہ جب تمہارے دین کے قائل ہی نہیں رہے تو تمہاری زبردستی ہمارے دلوں میں تمہارا دین داخل کر ہی نہیں سکتی۔

جو ترکیب نہ حضرت شعیب کو معلوم تھی اور نہ آپ کی قوم کو معلوم تھی وہ آج کے علماء کو معلوم ہو گئی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ زبردستی تلوار کے زور سے اگر اپنی ملت میں لوٹ آنے کا ہم مطالبہ کریں تو یہ بالکل جائز اور معقول ہے،عین اسلام اور قرآن کے مطابق ہے اور عقل کے مطابق ہے۔

ان کے اس توھم کا جواب حضرت شعیبؑ کی زبان سے سنئے۔فرماتے ہیں:

﴿ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ ﴾

کہ اگر جبر کے ڈر سے موت کے ڈر سے یا گھروں سے نکالے جانے کے خوف سے ہم تمہاری ملت میں لوٹ آئیں گے تو ہم اللہ پر افتراء کرنے والے ہونگے۔

تو کیا اسلام اس بات کا حکم دیتا ہے کہ جو اسلام کے قائل نہیں رہے ان سے اور بھی بڑا جرم کرواؤ؟انہیں اللہ پر افتراء کرنے والا بنا دو۔پھر فرماتے ہیں: ہمارے لئے یہ ممکن ہی نہیں اور تمہارے لئے بھی یہ ممکن نہیں۔دلوں پر صرف ایک صاحب اختیار کا اختیار ہے اور وہ خدا تعالیٰ ہے۔جب تک ہمارا رب نہیں چاہیگا کہ ہم واپس اس خیال کی طرف لوٹ آئیں جسے چھوڑ کر ہم واپس نکلے ہیں اس وقت تک ہمارے قبضہ قدرت میں نہیں ہے کہ ہم وہ بات مان جائیں جو تم ہم سے منوانا چاہتے ہو۔آج کی دنیا کے قبضہ قدرت میں وہ باتیں کیسے آگئیں جو اس زمانہ کے نبی وقت کے قبضہ قدرت میں نہ تھیں صرف اللہ کے قبضہ قدرت میں تھیں۔یقیناً آج بھی خدا ہی ہے جو دلوں کا

مالک ہے اوراس کے تسلط کے سوا دل ہرگز بدل نہیں سکتے۔

حضرت موسیٰؑ پر فرعونیوں کا الزام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی ان کی قوم اوراس وقت کے فرعون نے یہی سلوک کیا۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ نہ صرف یہ سلوک کیا بلکہ اس ظلم میں حد سے زیادہ بڑھ گئے اور نئے نئے طریق ایذاء دہی کے ایجاد کئے۔ایسی باتیں جو پہلے مخالفین انبیاء کے ذہن کے گوشوں میں بھی نہیں گزری تھیں وہ باتیں بھی فرعون نے سوچیں اور ہر قسم کے مظالم اس بناء پران پر روا رکھے کہ وہ مرتد ہو گئے تھے،اپنے دین سے پھر گئے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم بیان فرماتا ہے:

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ O وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِى الْاَرْضِ الْفَسَادَ O وَ قَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ﴾ (سورہ المومن:۲۶ تا ۲۸)

جب موسیٰؑ، فرعون اوراس کی قوم کی طرف حق کے ساتھ تشریف لائے جو ہماری طرف سے اسے عطا ہوا تھا تو انہوں نے کہا کہ انہی کو ہی نہیں ان کے بیٹوں کو بھی قتل کرو۔'' اقتلوا ابناء الذین امنوا معه'' میں'' معه''جو ہے وہ ایمان سے بھی متعلق ہوسکتا ہے یعنی ان لوگوں کے بیٹے جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں اور ''اقتلوا'' سے بھی متعلق ہوسکتا ہے یعنی اس کے ساتھ اوراس کے ساتھیوں کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی قتل کرو۔ یہ دونوں مفہوم ثابت ہیں کیونکہ اگلی آیت بتا رہی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے قتل کا بھی انہوں نے فیصلہ کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ اسے ہی قتل نہ کرو ان کی اولادوں کو بھی قتل کردو۔ وہ بھی قتل مرتد کے حکم میں آتی ہیں۔ اور آج بعینہ یہ آواز پاکستان کے علماء کی طرف سے احمدیوں کے خلاف اٹھائی جارہی ہے۔پس تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ قرآن فرماتا ہے کہ حق کے مخالفین ہمیشہ ایسی ہی تدبیریں سوچا کرتے ہیں۔

پھر کہا'' واستحیوا نساء ھم'' کہ ان کی عورتوں کو زندہ رکھو یعنی ذلیل کرنے کے لئے،رسوا کرنے کے لئے۔فرمایا '' وما کید الکافرین الا فی ضلٰل'' کہ کفار کی تدبیر سوائے رسوائی اور ناکام ہونے کے اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔گمراہی میں بھٹکنے والی ایک تدبیر ہے جس کا کوئی نتیجہ بھی نہیں نکلے گا۔ پھر بتایا کہ فرعون نے کہا ''ذرونی اقتل موسی ولیدع ربه''میں موسیٰ کو کیوں نہ قتل کردوں۔وہ پھر بلاتا پھرے اپنے رب کو۔دیکھتے ہیں کہ کس طرح اس کا رب اسے میرے پنجے سے نکال کرلے جاتا ہے؟ کیوں میں ایسا کرتا ہوں؟ کہا: ان کا اپنا دین جو ہے جو مرضی ہوتا پھرے،مگر صرف یہ بات نہیں اس کے جرم کی۔یہ تبلیغ کرتے ہیں اور دوسروں کا دین بھی بدلتے پھر رہے ہیں اور یہ ایک ایسا جرم ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔کیونکہ یہ اس طرح زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔

پاکستانی حکومت کی دلیل

چنانچہ حکومت پاکستان نے جماعت احمدیہ کے خلاف جو مبینہ قرطاس ابیض شائع کیا ہے اس میں یہی دلیل دی ہے۔حکومت پاکستان کا لکھنے والا باہر کے ملکوں کو لکھتا ہے کہ آپ کو اندازہ نہیں کہ ہم کیوں ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ان کا اپنا دین جو ہے ہوتا پھرے،لیکن یہ دوسروں کو بھی تبلیغ کرتے ہیں اور ہماری زمین میں فساد برپا کررہے ہیں۔ کونسی حکومت ہے جو اس فساد کو برداشت کرسکے؟

انہیں کہنا چاہئے تھا کہ قرآن پڑھ کر دیکھ لو، فرعون نے بھی برداشت نہیں کیا تھا، میں کیسے برداشت کرسکتا ہوں۔

حضرت مسیح موعودؑ کا الہام

'' ذرونی اقتل موسیٰ ولیدع ربه'' کا الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی ہوا اوراس فرعونیت کا مظاہرہ اس دور میں اس عاجز کے متعلق بھی انہیں الفاظ میں ہوچکا ہے۔ پاکستان کے علماء نے بار بار اصرار کیا اور قرائن بتا رہے ہیں کہ پاکستان کے آمر نے حامی بھی بھرلی تھی کہ اس کے خلاف ایک سازش کرتے ہیں۔جس طرح موسیٰؑ کے خلاف قتل کا ایک مقدمہ بنا تھا اسے قتل کرتے ہیں۔اگر اسے قتل کروگے تو (نعوذ باللہ) گویا رگ احمدیت کاٹی جائے گی۔کیونکہ یہ بہت شرارت کررہا ہے۔نہایت فسادی شخص ہے۔تبلیغ پر جماعت کو آمادہ کررہا ہے۔یہ کہہ رہا ہے کہ بڑی تیزی کے ساتھ پھیل جاؤ اور بڑی تیزی کے ساتھ دنیا کو خدا کا پیغام دو۔'' داعین الی اللہ''کی تحریک کردی ہے۔ یہاں تک لکھا ہے کہ پہلے خلفاء کچھ شریف تھے۔یہ بڑا خبیث اور شریر آدمی ہے۔یہ تو تیز کررہا ہے جماعت کو۔ہم کیسے برداشت کرسکتے ہیں۔

پس میں ان لوگوں کو قرآن کی زبان میں وہی جواب دیتا ہوں جو اس وقت کے نبی نے دیا تھا (اور میں نبیوں کی خاک پا کے برابر بھی اپنے آپ کو نہیں سمجھتا،مگر سنت نبویہ کی پیروی ضروری سمجھتا ہوں) میں حضرت موسیٰؑ کے قول سے سند لیتے ہوئے قرآن کی آواز میں انہیں مخاطب کرکے یہی کہتا ہوں:

{انی عذت بربی و ربکم من کل متکبر لا یؤمن بیوم الحساب}

خدا کی قسم! میں تم سے اور تمہارے جیسے شریروں سے اپنے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔ ہر اس متکبر سے جو یوم حساب پر یقین نہیں رکھتا ورنہ ایسی ذلیل حرکتیں نہ کرتا۔

اسی طرح قرآن کریم مسلسل کئی آیات میں اس مضمون کو بڑھاتا چلا جا رہا ہے۔ آیات بہت کثرت سے ہیں مگر اب میں مضمون کے آخری حصے کی طرف آتا ہوں۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۱۹ ستمبر ۱۹۹۷ء تا ۲۵ ستمبر ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۱۰

سیدالانبیاء ﷺ پر ارتداد کا الزام

سب سے بڑھ کر، سب سے برتر، سب سے اعلیٰ، سب سے افضل، سب سے احسن ہمارے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد ﷺ تھے جو سب نبیوں کے سردار تھے۔ یہی ہم سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ یہی قرآن سے ثابت ہے۔ اور یہی سنت سے ثابت ہے۔ صرف دعویٰ نہیں بلکہ ہم اس کی دلیل رکھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ پر بھی یہی الزام لگا اور بعینہ اسی طرح آپ کو قوم کی طرف سے مخاطب کیا گیا، اور کہا کہ تو اپنے دین سے پھر گیا ہے اور اس کی لازماً سزا ملنی چاہئے۔ نہ صرف خود پھر گیا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اپنے دین سے پھرا رہا ہے۔ تیرا پھرنا تو کسی حد تک برداشت ہو سکتا تھا مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم یہ برداشت کرتے چلے جائیں کہ تو مسلسل اپنے دین کی تبلیغ کرتا رہے اور دوسروں کو بھی اپنا ہم خیال بناتا رہے؟ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی مہذب قوم اس کی اجازت نہیں دے سکتی تھی، جیسا کہ آج پاکستان کی مہذب قوم کا خیال ہے۔ قوم کے جابر سربراہوں کا کہنا چاہئے کیونکہ قوم تو بڑی حد تک اس سے بری الذمہ ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خبر دی کہ اے محمد! تیرے متعلق بھی وہ جو کچھ ارادے رکھتے ہیں وہ میں تجھے بتاتا ہوں:

﴿ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ﴾ (الانفال: ۳۱)

ایک وہ وقت بھی تو تھا جب کہ یہ کفار تیرے خلاف طرح طرح کے مکر کر رہے تھے اور ان مکروں میں یہ بات بھی شامل تھی کہ یا تو تجھے قید کر دیں یا تجھے قتل کر دیں یا تجھے اپنی بستی سے نکال دیں۔ گویا انبیاء کے دشمنوں نے جو تدبیریں سوچی تھیں وہ ساری آنحضرت ﷺ کے دشمنوں نے بھی سوچیں اور آپ کے خلاف ان کو استعمال کرنے کا نہ صرف فیصلہ کیا بلکہ پوری کوششیں شروع کر دیں۔ پھر فرمایا: ﴿ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ﴾ کہ انہوں نے بھی تدبیریں کیں اور خدا بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ ہی سب تدبیریں کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم جس تاریخ کو محفوظ فرما چکا ہے اور جسے مختلف رنگ میں بار بار اور بڑی وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے اور حضرت نوحؑ کا نام لے کر آنحضرت ﷺ تک جملہ انبیاء کا نام لے کر بلا استثناء اور مسلسل یہ بحث ہمیں بتاتا چلا جا رہا ہے کہ انبیاء کے مخالفین اس عقیدے پر متفق تھے۔ ہر وقت کے نبی کا مخالف ہر دوسرے وقت کے نبی کے مخالف کے ساتھ یہ اتفاق و اجماع رکھتا تھا کہ مرتد کی سزا ضرور ہونی چاہئے خواہ اسے قتل کرو، خواہ اسے قید کرو یا گھروں سے نکال دو۔ (یہ تینوں قسم کی سزائیں علماء اسلام بھی آج کل بتا رہے ہیں) لیکن سزا ضرور دو۔ خصوصاً اس مرتد کو تو قتل کرنا لازم ہو جاتا ہے جو اپنے دین کی دوسروں کو تبلیغ بھی شروع کر دے۔ اور اس ساری تاریخ میں اللہ تعالیٰ ہمیں بتاتا چلا جا رہا ہے کہ وہ لوگ جھوٹے اور ظالم تھے جو قتل یا کوئی اور سزا ارتداد کی تجویز کیا کرتے تھے۔ وہ دین میں جبر کے خواہاں تھے اور اسی کا ادعا کیا کرتے تھے۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سمیت تمام انبیاء نے بلا استثناء ان کے ان دعاوی کو رد کیا۔ نامراد قرار دیا اور جھوٹا اور ذلیل قرار دیا اور مذہب کی آزادی کا اعلان کیا۔ انسانی ضمیر کی آزادی کا اعلان کیا۔

اس تمام اجماع کے بعد (نعوذ باللہ من ذٰلک) ان علماء کے نزدیک یہ کیسا واقعہ ہو گیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اچانک اپنا موقف تبدیل فرما لیا اور انبیاء کے پاک زمرے سے ہٹ کر نعوذ باللہ من ذالک۔ ان دشمنوں کے زمرے میں جا کھڑے ہوئے۔ میرا تصور اس خیال پر لعنت ڈالتا ہے۔ حیرت ہے کہ آج کے علماء رسول اکرم ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہوئے یہ ادعاء کیسے کر سکتے ہیں؟ کیوں ان کو حیاء نہیں آتی؟ کیوں شرم سے زمین میں گڑھ نہیں جاتے؟؟ کیسے جرأت ہوتی ہے ان کی زبانوں کو کہ ایسا دعویٰ کریں جبکہ تمام انبیاء بالاجماع، مسلسل ایک دوسرے کے بعد، بلا استثناء مرتد کی سزائے قتل کے عقیدے کو رد کرتے رہے اور خدا ہر مرتبہ یہ گواہی دیتا رہا کہ یہ رسول سچے تھے جو کہتے تھے کہ دین میں کوئی جبر نہیں اور دین میں جبر کو راہ دینے والے اور ارتداد کی سزا تجویز کرنے والے سارے جھوٹے اور لعنتی تھے اور سب کو خدا نے مٹا دیا اور ملیا میٹ کر دیا؟

چھوڑو باقی دلیلوں کو، اتنا تو سوچو کہ ہمارے آقا اور مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تم کس زمرے میں گھسیٹنے کی کوشش کر رہے ہو۔ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ ہرگز خدا تمہیں اس کی اجازت نہیں دے گا۔ یہ عقیدہ مرنے کا عقیدہ ہے اور مر کر رہے گا۔ اس راہ میں احمدیوں کو جان دینی پڑے تو وہ جان دیں گے۔ لیکن محمد مصطفیٰ ﷺ پر لگائے ہوئے داغوں کو دھوئیں گے خواہ اپنے خون سے ان داغوں کو دھونا پڑے۔

زمانہ بدل چکا ھے

اس پر مستزاد یہ ہے کہ اب تو ایک اور وقت آ چکا ہے ہم کسی اور زمانے میں نکل آئے ہیں۔ وہ تمام انبیاء جن کے متعلق قرآن فرماتا ہے کہ ان کے مخالفین اب اس عقیدے سے توبہ کر بیٹھے ہیں۔ وہ سارے مخالفین اجتماعی صورت میں جب آنحضرت ﷺ کے مقابل پر ابھرے تو انہوں نے اپنی تاریخوں کو بھلا کر خود یہ عقیدہ اختیار کر لیا تھا اور ان سب نے آنحضرت ﷺ کے خلاف یہ دعویٰ کر کے کہ ارتداد کی سزا قتل ہے یا قید ہے یا بستی سے نکال دینا ہے گویا یہ اعلان کیا تھا کہ ہمارے نبیوں کا دین جھوٹا تھا، ہم ان کی طرف منسوب ہونے کے باوجود یہ اعلان کرتے ہیں کہ یہ بات سچی ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں وہ یہ سمجھتے تھے (جس طرح آج کل کے علماء سمجھتے ہیں) کہ ان انبیاء کی یہی تعلیم تھی، ان کے دین کی یہی تعلیم تھی، اس لئے انہیں یہی کرنا چاہئے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں دنیا میں جتنے دین تھے اگر ان سب کا اجتماعی فیصلہ یہ بھی تھا کہ مرتد کی سزا قتل ہے یا قید ہے یا بستی سے نکال دینا ہے تو اب تو زمانے کے رنگ بدل چکے ہیں۔ اب تو یہودی بھی یہی کہتے ہیں کہ مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔ یہ ظلم ہے انسانیت کے نام پر۔ یہ داغ ہے مذہب کے نام پر۔ آج تو عیسائی بھی یہی کہتے ہیں کہ اپنے ماضی کی تاریخ کو دیکھ کر ہم نے ارتداد کے جرم میں اگر عیسائیوں کو بے دریغ قتل کیا ہے تو بہت ظلم کیا ہے اور اس تاریخ کو دیکھ کر ہم شرمندہ ہیں۔ ہمارے سر جھک جاتے ہیں جب ہم سپین کی انکویزیشن Inquisition کی تاریخ کے واقعات پڑھتے ہیں یا انگلستان میں ارتداد کے جرم میں سزائیں دینے کی تاریخ پڑھتے ہیں۔ توبہ کر چکے ہیں۔ آج بدھ بھی توبہ کر چکے ہیں۔ آج جین بھی توبہ کر چکے ہیں۔ آج ہر قسم کے مشرکین اپنی مست بھی توبہ کر چکے ہیں۔ آج منوسمرتی کے ماننے والے جو کل تک یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اپنے دین سے پھرنے والے پر ہر قسم کے مظالم کرو اور جو شودر کلام الٰہی کو سن لیں ان کے کانوں میں سکہ پگھلا کر ڈالو، وہ بھی توبہ کر چکے ہیں۔ یہ کیسا منظر الٹا ہے کہ آج قتل مرتد کا دعویٰ کرنے والوں میں سوائے محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف منسوب ہونے والوں کے اور کوئی اس میدان میں نہیں ملتا۔ اس سے زیادہ دردناک منظر بھی کوئی سوچا جا سکتا ہے؟

سنبھلو ، تم بھک رھے ھو

جہالت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ یہ بات تو جہالت کی ساری حدیں پھلانگ چکی ہے۔ مجھے تو اس بات پر جب شدت سے جذبات پیدا ہوتے ہیں تو جہاں غصہ بھی آتا ہے وہاں دکھ بھی بے انتہا ہوتا ہے اور جہالت کی حد ایسی ہے کہ بعض دفعہ ہنسی بھی آتی ہے کہ انہیں ہو کیا گیا ہے؟ ان کی عقلیں کہاں بھٹک رہی ہیں؟ کیا گھاس چر رہی ہیں؟ پتہ ہی نہیں کہ کیا کر رہے ہیں۔ اپنے دین پر، سیدؐ ولد آدمؑ پر کیا ظلم کر رہے ہیں؟ اور زمانے کے سامنے کیا تصویر پیش کر رہے ہیں۔

مجھے تو اس پر وہ لطیفہ یاد آ جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ انگلینڈ میں کوئی نیوڈز (Nudes) کلب تھی۔ (نیوڈ کلب کا رواج آج کل عام ہے۔ بعض لوگ ایک کلب میں سارے ننگے ہوتے ہیں)۔ انہوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کو دعوت دی کہ ایک دن ہمارے ساتھ گذاریں۔ وہ صاحب سوٹڈ بوٹڈ تھے، پوری طرح تیار ہو کر تشریف لائے۔ لنچ پر یہ منظر دیکھا گیا کہ سارے ننگے بیٹھے ہوئے تھے اور وہ بے چارے اکیلے سوٹ پہن کر بیٹھے ہوئے تھے۔ شام کو ان کی تقریر بھی تھی۔ ان کو خیال آیا کہ یہ تو بڑا ظلم ہے۔ روم میں اسی طرح کرنا چاہئے جیسے رومن کیا کرتے ہیں۔ مجھے کون دیکھے گا۔ ننگے ہی دیکھیں گے نا۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک دن میں ان کی خاطر سوٹ اتار دیتا ہوں۔ ادھر ننگوں کو خیال آیا کہ آخر ہمارا مہمان ہے کوئی عزت افزائی ہونی چاہئے۔ ایک دن اس کی خاطر ہم کپڑے پہن لیں تو کیا حرج ہے؟ پس شام کو اس جگہ کے زمین و آسمان نے ایک مختلف نظارہ دیکھا۔ سارے ننگے کلب کے ممبر تو کپڑے پہن کر آئے ہوئے تھے وہ پروفیسر بیچارہ اکیلا ننگا تھا۔

پس خدا کی قسم! آج کی اس دنیا میں تاریخ کے سارے ننگوں نے کپڑے پہن لئے ہیں اگر ننگا ہے تو صرف ملاں ننگا ہے۔

دعاء مصطفویؐ کا معجزہ

اب میں اس تقریر کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ خدا کرے کہ کچھ کان ایسے بھی ہوں جو سننے والے ہوں۔ کچھ دل ایسے بھی ہوں جن پر ہدایت کی بات اثر رکھتی ہو۔ کوئی مانے یا نہ مانے، میرا اور آپ کا مقام تو وہی رہے گا جو ہمارے آقا و مولا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا مقام تھا اور اسی سنت سے ہم چمٹے رہیں گے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت تھی۔ " فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ "(الغاشیہ: ۲۲، ۲۳)

ہم آج کی دنیا کے زخم دھونے کے لئے تو آئے ہیں۔ ہم آج کی دنیا کی کجیاں دور کرنے کی کوشش تو ضرور کریں گے، نصیحت کے ذریعے، دلیل کے ذریعہ، پیار و محبت سے

سمجھا کر، لیکن ہم داروغہ نہیں ہیں۔ اگر کوئی نہیں مانتا تو اسے اختیار ہے چاہے تو انکار کردے۔ " مَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ " (سورہ الکہف:۳۰)۔ ہمارا کام صرف پیغام پہنچانا ہے۔لیکن اس پیغام کے ساتھ ہمیں دعا بھی کرنی چاہئے کیونکہ دعا کا ہتھیار سب سے بڑا ہتھیار ہے۔آنحضرت ﷺ کی دعاؤں کے ایسے ایسے معجزے جزیرہ نمائے عرب نے دیکھے تھے کہ حیرت سے آج دنیا ان کو تکتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں جو عظیم انقلاب چند سالوں کے اندر اندر واقع ہوا وہ دلیل سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کی دعاؤں کے نتیجہ میں واقع ہوا تھا۔

ایک حدیث میں آپ نے ایک بات سنی اور ہوسکتا ہے آپ کی توجہ اس طرف نہ گئی ہو کہ وہ علاقے جو مرتد ہوئے تھے ان میں طائف شامل نہیں ہوا، مدینے اور مکے کے علاوہ کہ وہ آپ کی اپنی تربیت سے فیضیاب تھے۔طائف کی بستی اس لئے ارتداد میں شامل نہیں ہوئی تھی کہ یہ بستی خالصۃً آپ کی دعاؤں کے نتیجہ میں مسلمان ہوئی تھی۔جب آنحضرت ﷺ پر طائف میں ظلم کئے گئے۔آپ پر پتھراؤ کیا گیا، جب خدا کے فرشتے نازل ہوئے اور انہوں نے آپ سے پیشکش کی کہ چاہو تو ہم اس بستی کو تباہ کردیتے ہیں تو آنحضور ﷺ نے تباہی کی بجائے اس کی ہدایت کی دعا کی تھی۔

دیکھو! میرے آقا و مولا کی ہدایت کی دعا کو۔ دیکھو تو سہی کس شان کی دعا تھی کہ جب عرب کے لوگ کثرت سے ارتداد اختیار کررہے تھے تو یہ سب بستیوں سے ظالم بستی اس وقت بھی اس دعا کے نتیجہ میں ہدایت پر قائم رہی۔

پس امر واقع یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ باقی عرب اور باقی دنیا میں بھی اسلام ، آنحضرت ﷺ کی دعاؤں کے طفیل ہی پھیلا ہے مگر جہاں دعائیں مرکوز ہوجائیں، جہاں نگاہ کے سامنے ایک چہرہ نظر آجائے اور اسے سامنے رکھ کر دعا کی جائے، وہ دعا اور طرح کے رنگ دکھاتی ہے اور اور طرح کے اثر دکھاتی ہے۔ورنہ عمومی دعا تو ہر ایک کے لئے انسان کرتا ہی ہے۔کیوں نظر میں آجاتا ہے؟ کیوں نظر کے سامنے آکر چاہتا ہے کہ میں کسی بزرگ سے دعا کرواؤں؟ پس وہ بستی اس وقت آنحضرت ﷺ کی نظر میں اس طرح خاص جمی ہوئی تھی۔اور درد کا ایک ایسا خاص وقت تھا کہ اس دعا نے طائف کی بستی کے حق میں وہ جوہر دکھائے کہ جن سے بعض دوسرے بدقسمت علاقے محروم رہ گئے۔

پس دعائیں کرو۔ پاکستان کے لئے بھی دعائیں کرو کیونکہ سب سے زیادہ محبت ہمیں پاکستان سے صرف اس لئے نہیں کہ وہ ہمارا یعنی پاکستان سے آنے والوں کا وطن ہے بلکہ جیسا کہ میں نے بارہا توجہ دلائی ہے یہ ایک ایسا ملک ہے جو خالصۃً اسلام کے نام پر لیا گیا اور آج اسے خالصۃً اسلام کی بیخ کنی کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔یہ ایک ہی ملک ہے ساری دنیا میں جو کلمے کے نام پر وجود میں آیا تھا اور یہ ایک ہی بدبخت ملک ہے جو کلمے کو مٹانے کے درپے ہے۔یہاں سازشیں چل رہی ہیں عالم اسلام کے خلاف۔ یہاں ہر وہ حرکت کی جارہی ہے جو ساری دنیا میں اسلام کو بدنام کردے۔پس چونکہ آغاز میں رسول کریم ﷺ کی محبت اور خدا کے نام پر یہ ملک جیتا گیا اس لئے ہماری وہ محبت بہرحال قائم رہے گی۔اس ملک کے برعکس استعمال پر ہمارا دل لازماً زیادہ کڑھے گا۔عام صحت مند بچوں سے بھی پیار ہوتا ہے مگر جب کوئی بچہ بیمار ہوجائے تو پیار بڑھ جایا کرتا ہے کم تو نہیں ہوجایا کرتا ہے۔اس بچے کی بات آپ کو یاد نہیں جسے خیال آیا تھا کہ میری ماں مجھ سے شاید پیار کم کرنے لگی ہے۔چنانچہ ایک کرسی پر کھڑے ہو کر اس نے اس طرح اپنا زاویہ بدلا کہ اس کا بیلنس بگڑ گیا اور وہ جان بوجھ کر زمین پر گر گیا۔ماں دوڑ کر آئی اور کہا بیٹا! کیا بات ہوئی؟ اس نے کہا : کچھ بھی نہیں، میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ کو مجھ سے پیار ہے بھی کہ نہیں۔

پس اے پاکستان، عزیز وطن! خدا کی قسم ہمیں تجھ سے پیار ہے۔تو ظلموں میں بڑھ رہا ہے تو پیار اور بھی بڑھ گیا ہے تاکہ تجھے ہلاکت سے بچالے اور وہ سارے احمدی بھی جن تک تیری سرزمین میں پیدا ہونے والوں نے پیغام حق پہنچایا تھا وہ بھی تیرے ممنون احسان رہیں گے اس لئے وہ بھی تیرے لئے دعا کرتے رہیں گے۔

پس سب سے بڑھ کر پاکستان کو دعاؤں میں یاد رکھیں اور پھر سارے عالم اسلام کو بھی جس کے خلاف شدید عالمی سازشیں پنپ رہی ہیں، اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ سارے بنی نوع انسان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ پاکستانی احمدیوں کو جو طرح طرح کے مصائب اور دکھ جھیل رہے ہیں ان کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور جنہوں نے قیدو بند کی صعوبتیں نہیں بھی اٹھائیں وہ بھی انتہائی کرب کی حالت میں زندگی گذار رہے ہیں۔ایسا شدید ظلم ان پر ہورہا ہے اور اسطرح ان کے بنیادی حق چھینے گئے ہیں کہ ان کی زندگی بے چین اور بے قرار ہوچکی ہے۔نہ ان کے دن کا چین رہا ہے، نہ ان کی راتوں کا چین رہا ہے۔ان سب کے لئے بھی دعائیں کریں۔پھر یہاں کے مقامی باشندوں کے لئے جنہوں نے جلسہ پر آنے والوں کی مہمان نوازی کی ہے، بھی دعائیں کریں۔ان کے لئے بھی دعائیں کریں جو شامل ہوئے اور ان کے لئے بھی جو شامل نہیں ہوسکے۔خصوصاً انہیں بھی یاد رکھیں جو شامل ہونے کے لئے آرہے تھے مگر کراچی میں قید کرلئے گئے۔اس جرم میں کہ اپنے ساتھ کچھ دینی کتب اٹھائی ہوئی تھیں۔ان سب کے لئے دعا کریں۔

پھر بنی نوع انسان کی عمومی بہبود کے لئے دعائیں کریں۔جنگیں بڑی بلا ہوتی ہیں اور جتنا زیادہ انسان ترقی کرتا چلا جائے اتنی ہی زیادہ اس کی جنگیں بھیانک ہوتی چلی جاتی ہیں۔تہذیب کے کوئی تقاضے پھر جنگ میں ظلم اور سفاکی سے اس انسان کو نہیں روک سکتے جس کی تہذیب سطحی ہو اور اس کی گہری بنیاد انسانیت اور مذہب میں نہ ہو۔ہم بار بار یہ نظارہ دیکھ چکے ہیں کہ نہایت مہذب کہلانے والی قوموں نے بھی جنگ کے دوران انتہائی سفاکی اور ظلم کا ثبوت دیا ہے۔عیسائی نے عیسائی کے خلاف انتہائی ظلم کئے ہیں یہاں

تک کہ اشتراکی نے اشتراکی کے خلاف انتہائی ظلم کئے ہیں۔ ان کی تہذیبیں سطحی تھیں۔ بظاہر نظر آنے والی ایک ملمع کاری تھی۔ گہری انسانیت موجود نہیں تھی۔ مذہب کی پوری حقیقت سے یہ لوگ آشنا نہیں تھے۔ آج اس سے بدتر حال ہو چکا ہے۔ پس کل کی جنگ گذرے ہوئے کل کی جنگ سے زیادہ بھیانک اور زیادہ شدید اور زیادہ خطرناک ہوگی۔ اس لئے یہ دعائیں بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ اس بلا کو ٹال دے اور ان کجیوں کو دور فرمائے جو بالآخر جنگ پر منتج ہو جایا کرتی ہیں۔

غریبوں کے لئے دعا کریں۔ مفلوک الحالوں کے لئے دعا کریں۔ بیواؤں کے لئے دعا کریں۔ یتیموں کے لئے دعا کریں۔ ہر قسم کے دکھ اٹھانے والے فاقہ زدوں کے لئے دعا کریں۔ غریب ملکوں کے لئے دعا کریں۔ سود کی چکی میں پسے جانے والے ملکوں اور افراد کے لئے دعا کریں۔ بنی نوع انسان کی عمومی بہبود کو بھی یاد رکھیں۔

یہ سب دعائیں جو آپ کریں گے اللہ کے فضل کے ساتھ آپ کے حق میں دعائیں بن کر، آپ پر رحمتیں بن کر نازل ہونگی۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۲۶ رستمبر ۱۹۹۷ء تا ۲ راکتوبر ۱۹۹۷ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

www.alislam.org/urdu

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆